شہری

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے ـــــ مارگریٹ میڈ

برائے بہتر ماحول

جولائی تا دسمبر 2008ء

اندرونی صفحات میں

- ساحلی ترقیاتی منصوبوں کی مخالفت کا جواز
- کراچی کا ترقیاتی منصوبہ 2020
- چوکنڈی مقابر کے قریب صنعتوں کا قیام
- کراچی میں پانی کی فراہمی میں درپیش مسائل
- کارکن خواتین کے مسائل

ساحلی ترقی: ماحول اور روزگار سے وابستہ خدشات

کراچی کے ساحل پر متعدد ترقیاتی منصوبوں کے لائحہ عمل تیار ہو رہے ہیں اور ان پر عملدرآمد بھی ہو رہا ہے جس نے ساحلی ماحول اور حیاتیات اور ان سے وابستہ زرائع معاش کے لیے شدید قسم کے خطرات پیدا کیے ہیں۔ اس خصوصی رپورٹ میں متعلقہ مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

وفاقی حکومت نے ستمبر 2006ء میں کراچی کے ساحل پر واقع دو جزیروں بُندل اور ڈنگی میں ڈائمنڈ بار آئی لینڈ سٹی تعمیر کرنے کا اعلان کیا تھا۔ متحدہ عرب امارات کی ایک تعمیراتی کمپنی عمار نے 43 بلین کی سرمایہ کاری کرنے کا وعدہ کیا۔ سندھ کے شہریوں، سول سوسائٹی اور پاکستان کی سیاسی تنظیموں اور تحفظِ ماحول کے بین الاقوامی گروپوں نے اس منصوبے کو سندھ کے ساحل کے قدرتی زرائع اور علاقے میں رہائش پذیر ماہی گیروں کے روزگار کے لیے شدید خطرہ قرار دیا۔ لیکن معاملہ یہیں تک نہیں بلکہ حکومت نے کراچی کے مغربی ساحل پر واقع ماحولیاتی خوبیوں سے بھرپور ہاکس بے پر ایک عالیشان واٹرفرنٹ ترقیاتی منصوبہ شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

منصوبہ:

حکومت نے سرکاری طور پر اس منصوبے کی تفصیلات ظاہر نہیں کی ہیں، لیکن میڈیا نے منصوبے کے بارے میں اطلاعات فراہم کی ہیں۔ شہری ضلعی حکومت کراچی (سی ڈی جی کے) کی سرکاری ویب سائٹس اور لمٹ لیس (ایک منصوبے میں شریک دبئی کی ایک تعمیراتی کمپنی) کی ویب سائٹس بھی منصوبے کے ضمن میں کم معلومات فراہم کرتی ہیں۔

سی ڈی جی کے کی سرکاری ویب سائٹس کے مطابق کراچی کے ناظم مصطفیٰ کمال نے صحافیوں کو بتایا کہ ہاکس بے پر 'کراچی واٹرفرنٹ شوگرلینڈسٹی' کے نام سے ایک شہر کی تعمیر کا ماسٹر پلان مکمل ہوگیا ہے اور یہ 60,000 ایکڑ رقبے پر 68 بلین امریکی ڈالر کی لاگت سے تعمیر کیا جائے گا۔ ایک سوال کے جواب میں ناظم نے بتایا کہ صدر نے اس منصوبے کی منظوری دے دی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ متعلقہ اداروں نے ہاکس بے پر ایک نئے شہر کی تعمیر کے لیے این او سی جاری کردیا ہے۔ میٹنگ میں وفاقی وزیر برائے پورٹس اور شپنگ بابر غوری، سندھ کے وزیراعلیٰ، سندھ کے چیف سیکریٹری، کے پی ٹی کے چیئرمین، نخیل ڈیولپمنٹ کے نمائندوں اور دبئی اسلامک بینک کے چیف ایگزیکٹو نے بھی شرکت کی تھی۔

لمٹ لیس کی ویب سائٹ نے منصوبے کے مندرجہ امور کی وضاحت کی ہے 'ایک نئے متوازن واٹرفرنٹ کی ترقی کا یہ منصوبہ پاکستان کی حکومت اور لمٹ لیس کا مشترکہ منصوبہ ہے کراچی واٹرفرنٹ، موجودہ شہر کراچی کے مغرب میں 25,000 ہیکٹر رقبے پر قائم کیا جائے گا۔ نیا شہر جدید اور اعلیٰ ترین منصوبہ بندی کا حامل ہوگا جہاں رہائشی، تجارتی اور

شہری

جی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس
کراچی۔75400، پاکستان
ٹیلی فون/ فیکس 92-21-453-0646
92-21-438-2298
E-mail: Shehri@cyber.net.pk
(Web site) www.shehri.org

ایڈیٹر : سمیرا نعیم
انتظامی کمیٹی:
چیئر پرسن : رونالڈ ڈی سوزا
وائس چیئر پرسن: ایس رضا علی گردیزی
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : شیخ رضوان عبداللہ
ارکان : خطیب احمد، ڈیرک ڈین، حنیف اے ستار
شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر : سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: ریحان اشرف
بانی ارکان:
نوید حسین، قاضی فائز عیسیٰ
حمیرا رحمٰن، دانش آذر زوبی
زین شیخ، خالد ندوی، قیصر بنگالی

قلمکاروں کی ضرورت:
شہری نیوز لیٹر طلبا، ماہرین ماحولیات/تعمیرات اور ماحولیات میں دلچسپی رکھنے والے شہریوں میں مقبول ہے۔ آپ بھی 'شہری' کے لیے لکھیے۔ اس ضمن میں معلومات کے لیے 'شہری' کے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔
شہری کی رکنیت ''شہری برائے بہتر ماحول'' کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر/ ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن:
حیاء الدین حیات
پروڈکشن: انٹر پریس کمیونی کیشن (IPC)
مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
رکن IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

سیر و تفریح کی سہولتوں کا ایک واضح اور محتاط توازن موجود ہوگا۔ اس ترقی میں خصوصی معاشی زون بھی قائم ہوں گے جہاں اعلیٰ ترین بنیادی ڈھانچے اور سہولتیں، تجارتی پیداواری اور خدمات کی صنعتوں کا مرکز تخلیق کریں گے۔ منصوبے کے فیز 1 میں 2000 ہیکٹر رقبے پر بہترین واٹر فرنٹ جائیداد کی ترقی اگلے دس برسوں میں 20 بلین امریکی ڈالر سرمایہ کاری سے ہوگی۔ اس طرح منصوبے کے دیگر فیز کے لیے اس سے بھی زیادہ وسیع سرمایہ کاری متوقع ہے۔

کراچی کے روزنامہ 'دی نیوز' میں 25 مئی 2007ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ نے منصوبے کے بارے میں مندرجہ تفصیلات فراہم کی ہیں۔

منصوبے کے بارے میں سب سے پہلا اعلان 5 جون 2006ء کو دوبئی ورلڈ کی ویب سائٹ پر نمودار ہوا جس میں بتایا گیا کہ لمٹ لیس کراچی واٹر فرنٹ پروجیکٹ کی تعمیر کرے گا۔ خبر میں بتایا گیا کہ مفاہمت کی ایک یادداشت پر پاکستان کے وزیرِ مملکت برائے نج کاری و سرمایہ کاری عمر احمد گھمن اور دوبئی ورلڈ کے چیئرمین سلطان بن سلیمان نے دستخط کیے ہیں۔ مفاہمت کی یادداشت کے بعد اسلام آباد میں ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ 24 جون 2006ء کو ہوئی جس کی صدارت وزیرِ اعظم شوکت عزیز نے کی۔ مختلف وزارتوں کو اہم ہدایت دی گئیں جن میں پورٹس اینڈ شپنگ اور دفاع کے ساتھ ساتھ حکومت سندھ بھی شامل تھی۔ اس میٹنگ میں یہ طے پایا گیا کہ دبئی ورلڈ کا بتایا گیا رقبہ بہت بڑا ہے اس لیے ترقی کا عمل مرحلہ وار شروع ہوگا۔ دستیاب دستاویز کے مطابق پہلے فیز میں منوڑہ کا علاقہ ہے جس کے ساتھ سینڈز پٹ اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی پشت پر واقع مغربی بلیک واٹرز، ہاکس بے کے ساتھ کے پی ٹی کی زمینی حدود تک کے علاقے شامل ہیں۔ گروپ کو یہ تمام علاقہ پہلے فیز میں پیش کیا جائے گا۔ دوسرے فیز میں ہاکس بے کے ساحل کے آگے کے حصے کو ترقی دیتے وقت اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ کچھ حصہ عام لوگوں کے لیے تفریحی مقاصد کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس میٹنگ میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ منوڑہ میں واقع نیوی اور کنٹونمنٹ بورڈ کی تنصیبات کو کیپ مونز کے علاقے میں نیوی کی زمین پر منتقل کرنے کے لیے کوئی مناسب طریقۂ کار وضع ہونا چاہیے'۔

تازہ ترین رپورٹوں کے مطابق منصوبے کی حدود کے اندر آنے والی تمام ہٹوں کے مالکان کو نوٹس جاری کیے جا چکے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہٹ کے ضمنی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو ہٹ تعمیر ہوئے ہیں ان کی لیز فوری طور پر منسوخ کی جا رہی ہیں اور جو ہٹس کسی قسم کی خلاف ورزی میں ملوث نہیں ہیں ان کی لیز کی مدت کے اختتام پر اجراء نہیں کیا جائے گا۔

پاکستان کے قومی دن 14 اگست کو حکومت سندھ کے پلاننگ اور ڈیویلپمنٹ کے محکمے نے منصوبے کے لیے اظہارِ دلچسپی کو مدعو کیا۔ یہ اشتہار کراچی کے روزنامہ 'ڈان' میں 29 اگست 2007ء کو بھی شائع ہوا تھا جس میں منصوبے کے رقبے کو بڑھا کر 14,000 ایکڑ کرنے کا ایک نوٹ شامل تھا اور یہ علاقہ ہاکس بے کی اطراف میں مرتکز تھا۔ لیکن دستاویز میں منصوبے کے بارے میں کسی قسم کی تفصیلات مہیا نہیں کی گئیں تھیں۔

یہ ابہام دستاویز کے ابتدائی تعارفی نوٹ میں بھی نمایاں ہے۔ 'مجوزہ رقبے کا کل رقبہ کم از کم 40,000 ایکڑ ہوگا (19047.3 ایکڑ رقبہ حکومت سندھ کی ملکیت ہے 21037.15 ایکڑ زمین مختصر ٹکڑوں میں ہے جس کی منسوخی مشروط ہے۔ مجوزہ ترقیاتی رقبے میں زمین کے کچھ ایسے قطعات ہیں جن کی ملکیت کسی حکومتی ادارے یا ایجنسی کے پاس نہیں ہے اور منتخب ڈیویلپر سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ حکومت اور اداروں کے ساتھ کام کرے گا اور زمین کے اصل مالکوں سے زمین کے حصول کے لیے گفت و شنید کرے گا۔ زمین کے ان ٹکڑوں کے لیے کوئی پائیدار باہمی مفاد اور مفاہمت کا حل تلاش کرے گا'۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منصوبہ ہاکس بے کے تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوگا اور علاقے کے کسی ایک خاص حصے تک محدود نہیں ہوگا۔

ماحولیاتی نظام کے لیے خطرہ

ہاکس بے/سینڈز پٹ کے ساحل خطرات میں گھرے سبز کچھوؤں کے ایک منفرد ماحولیاتی نظام کے میزبان ہیں۔ یہ سبز

کچھوؤں کی افزائش نسل کے اہم مقام ہیں۔ سندھ کا شعبۂ جنگلی حیات اور ڈبلیو ڈبلیو ایف گذشتہ کئی برسوں سے سبز کچھوؤں کے تحفظ کے لیے کام کر رہے ہیں۔

آبی کچھوؤں کو ڈبلیو ڈبلیو ایف، پاکستان اسٹریٹیجک پلان میں شامل کیا گیا ہے یہ پلان خصوصی توجہ کے حامل حیاتی اقسام کے نام سے مشہور ہے۔ عالمی طور پر آبی کچھوؤں کی آٹھ اقسام ہیں جو سب کی سب خطرات سے دوچار ہیں۔ سبز کچھوے اور ٹرٹل آبی کچھوؤں کی دو اقسام ہیں جو کراچی کے سینڈز پٹ اور ہاکس بے کے ساحل پر انڈے دیتے ہیں۔ تحفظ اور بچاؤ کی متقاضی اقسام کے کنونشن برائے بین الاقوامی تجارت (CITES) میں آبی کچھوؤں کی تمام اقسام کو شامل کیا گیا ہے پاکستان اس کنونشن پر دستخط کر چکا ہے جو کچھوؤں، کچھوؤں کے اعضا اور ان کے انڈوں کی تجارت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ حکومت سندھ نے آبی کچھوؤں کو تحفظ کی متقاضی اقسام قرار دیا ہے۔ وسیع وعریض تعمیراتی اسکیمیں نہ صرف نازک ماحولیاتی نظام کو متاثر کریں گی بلکہ اگر مناسب ماحولیاتی انتظام نہ کیا گیا تو یہ علاقہ سبز کچھوؤں سے مکمل طور پر محروم ہو جائے گا۔

پچھلے آبی علاقے دلدلی جنگلات مہاجر پرندوں کے لیے پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں۔ تعمیرات کا شور وغل والا کام اور بڑھتی ہوئی گاڑیوں کی نقل وحرکت سے مہاجر پرندے مضطرب ہوں گے اور شاید وہ اس علاقے میں آنا چھوڑ دیں۔ یہ علاقہ کے پی ٹی کی ملکیت ہے۔ یہاں دلدلی جنگلات اور سبزہ 400 سے 500 ہیکٹر (1000 ایکڑ سے زیادہ) پر پھیلا ہوا ہے۔ دلدلی جنگلات کا ماحولیاتی نظام متعدد فوائد کا حامل ہے جن میں مہاجر پرندوں کی آرام گاہ، جھینگوں اور مچھلی کی مختلف اقسام کی افزائش کے لیے نرسریاں شامل ہیں۔ مقامی ماہی گیر ان جنگلوں کو جانوروں کے چارے اور ایندھن کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ سندھ ڈیلٹا میں دلدلی جنگلات کا ماحولیاتی نظام ابتر حالت میں ہے اور شدید خطرات سے دوچار ہے۔ ڈائمنڈ بار اور شوگر لینڈ سٹی جیسے منصوبے اس کمزور ماحولیاتی نظام کو مزید تباہ کرنے کا باعث بنیں گے۔ ماضی میں کے پی ٹی کے منصوبے جیسے مائی کولاچی روڈ اور ساحل کے ساتھ دیگر بنیادی ڈھانچوں نے دلدلی جنگلات کو برباد کیا ہے۔

آر ایف پی دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ واٹر فرنٹ ڈیویلپمنٹ ایک واحد منصوبہ نہیں ہے بلکہ یہ مختلف چھوٹے منصوبوں کا ایک امتزاج ہے۔ یہاں یہ تذکرہ کرنا مناسب ہوگا کہ کراچی کا ساحل ایک پیچیدہ ماحولیاتی نظام کا حامل ہے جس میں معدوم ہوتے ہوئے جنگلات روبہ تنزل مچھلیوں کی اقسام اور تیزی سے غائب ہوتے ہوئے مہاجر پرندے شامل ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے کی کوئی بھی ترقیاتی اسکیم اپنے ماحولیاتی نظام پر منفی اثرات مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اس کے علاوہ ایسی ترقی ساحلی علاقوں کی کمیونٹیوں کے روزگار پر دوررس اثرات بھی مرتب کریں گی۔ یہ کمیونٹیاں ساحل سے متعلقہ تفریحی سرگرمیوں اور ماہی گیری کے ذریعے اپنا روزگار حاصل کرتی ہیں۔ واٹر فرنٹ ترقی ان کے صدیوں پرانے طرزِ زندگی میں شدید تبدیلیاں لانے کا باعث بنے گی۔ منصوبے کے محرکات اثباتی وضاحتوں کے بغیر مقامی کمیونٹیوں کے فائدے اور تلافی کے سطحی دعوے کر رہے ہیں۔ اس قسم کی ترقی کے مختلف النوع سماجی و ماحولیاتی اثرات ہوسکتے ہیں۔

آر ایف پی دستاویز منصوبے کے ماحولیاتی اثرات کے جائزے کو لازمی اور ناگزیر قرار دیتی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کراچی کے ساحل پر مکمل ترقیاتی منصوبہ پورے ساحلی ماحولیاتی نظام پر مجموعی اثرات کا حامل ہوسکتا ہے اس لیے منصوبے کی بنیاد پر ہونے والا جائزہ برائے ماحولیاتی اثرات شاید ماحولیاتی اور سماجی اثرات کی حقیقی تصویر کی عکاسی نہ کرسکے۔ اسے ایسی حکمت عملی اختیار کرکے اثرات کے جائزے (سماجی اور ماحولیاتی دونوں) کی ضرورت ہے تاکہ کمیونٹیوں اور قدرتی زرائع پر متوقع اثرات کی غیررسمی مکمل تصویر سامنے آسکے۔ اگرچہ کہ تحفظِ ماحولیات ایکٹ اس قسم کے منصوبوں کے لیے ای آئی اے کی ہدایت کرتا ہے لیکن ابھی تک ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ ملک اور خصوصاً سندھ میں ماحولیاتی قانون بہت کمزور ہے۔

کمیونٹی کا پیش منظر

ہاکس بے ماہی گیر کمیونٹیوں کے صدیوں پرانے غیر ترقی یافتہ گوٹھوں کا گھر ہے۔ برطانوی راج سے بھی قبل اس علاقے میں سندھی اور بلوچی بولنے والوں کی نمایاں آبادی یہاں آباد ہے۔ منوڑہ اصل کراچی تھا۔ 1843ء میں جب انگریزوں نے یہاں قبضہ کیا تو ایک قلعے کی دیوار کراچی کے حدود کا تعین کرتی تھی۔

آزادی کے چھ عشروں کے بعد بھی یہ گاؤں بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں بنیادی ڈھانچہ اور دیگر سماجی شعبے کی خدمات مثلاً پینے کا صاف پانی، صحت اور تعلیم کی صورتِ حال انتہائی خستہ ہے۔ اس وقت ہاکس بے پر دو یونین کونسلیں گابوپٹ اور بابا آئی لینڈ موجود ہیں جو 100 سے زیادہ گوٹھوں پر مشتمل ہیں جن میں سے کچھ تو ایک صدی پرانے ہیں۔

بابا آئی لینڈ یونین کونسل تین بڑے جزیروں بابا (آبادی 16,000)، بھٹ (آبادی 12,000) اور شمس پیر (آبادی 3000) پر مشتمل ہے۔ کچھ بڑے گاؤں مثلاً یونس آباد (آبادی 35,00) اور کاکا پیر (1000 آبادی) بھی ہیں۔

ہاکس بے ملک کے انتہائی خوبصورت تفریحی مقامات میں سے ایک ہے۔ ہزار ہا لوگ ہاکس بے کے حسین مقامات مثلاً کیپ ماؤنٹ، فرنچ بیچ اور پیراڈائز پوائنٹ پر تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ ایک دفعہ یہاں امیروں کا شہر کھڑا ہوگیا تو پھر کسی عام آدمی کو فطرت

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ فرمائیں)

اگر ہٹس یہاں سے ہٹا دی گئیں اور لوگوں نے پکنک پر آنا بند کردیا تو سینکڑوں مقامی دیہاتی بے روزگار ہو جائیں گے، نیز مقامی کمیونٹیوں کو یہ خدشات بھی لاحق ہیں کہ جدید شہر کی تعمیر کی راہ ہموار کرنے کے لیے انہیں ان کے آبائی گھروں سے نکال باہر کیا جائے گا

شہری سرگرمیاں

شہری رپورٹ

حکومت ساحلی علاقوں کے لیے لازمی طورپر ماسٹر پلان تیار کرے تاکہ انہیں مستقبل کی نسلوں کے لیے محفوظ کیا جاسکے، نیز ساحل تک آزاد رسائی کو یقینی بنایا جائے۔

ساحلی ترقیاتی منصوبوں کی مخالفت کا جواز

حکومت ساحلی علاقوں کے لیے ماسٹر پلان تیار کرے تاکہ انہیں آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کیا جاسکے

سیمینار کے مقررین اور شرکاء نے ساحلی منصوبوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے منصوبوں سے ہونے والی ترقی اور تعمیرات نہ صرف انسانی تکالیف میں اضافے کا باعث ہوں گے بلکہ ماحولیاتی اعتبار سے حساس علاقوں کی نباتات اور جانوروں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا سبب بھی بنیں گے۔

سیمینار کے منتظمین اور سول سوسائٹی کے مختلف طبقات سے آنے والے شرکاء میں ایک عمومی مفاہمت پیدا ہوگئی تھی کہ شہر کی توسیع کے نام پر تجارتی مقاصد کے لیے واٹر فرنٹ تعمیرات، ماہی گیر کمیونٹی میں وسیع پیمانے پر انخلاء اور بے روزگاری کا باعث بنیں گی۔ دوسری طرف بڑی تعداد میں لوگوں کی کراچی کی طرف ہجرت سے شہر پر مزید بوجھ بڑھے گا۔ جو پہلے ہی بجلی، پانی کے ذرائع اور دیگر بنیادی ضروریات مع ٹرانسپورٹ اور امن و امان کے نظام کے لیے ترس رہا ہے۔

سیمینار کے اختتام پر اکثریتی ووٹ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت ساحلی علاقوں کے لیے لازمی طور پر ماسٹر پلان تیار کرے تاکہ انہیں مستقبل کی نسلوں کے لیے محفوظ کیا جاسکے۔ ساحلی علاقوں کے تجارتی استحصال سے گریز کیا جائے۔ ساحل تک آزاد رسائی کو یقینی بنایا جائے اور کسی بھی صورت میں ساحل کے ساتھ آباد مقامی ماہی گیر

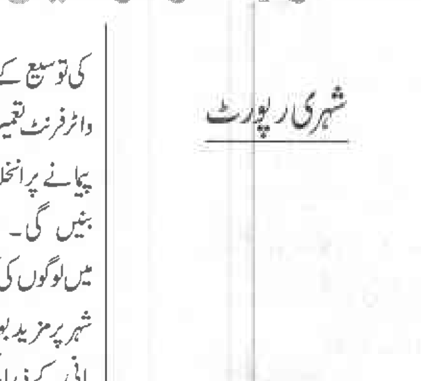

شہری ترقی یا حقیقی املاک کی ترقی

وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے جون 2006ء میں کراچی کے مکمل ساحل کو فروخت کرنے کی منصوبہ بندی سربستہ انداز میں کی اتنے بڑے پیمانے پر کام کا بیڑا اٹھانے کے بارے میں سوچا گیا لیکن دیگر اہم پہلوؤں سمیت نظریہ عوامی بھروسہ و اعتماد کو بھی نظر انداز کر دیا گیا جو واضح طور پر یہ بیان کرتا ہے کہ "ساحل کسی سماجی معاشی تقسیم سے قطع نظر تمام لوگوں کا ہے"۔

سول سوسائٹی کو یہ سوال ضرور اٹھانا چاہیے کہ اس قسم کے منصوبے اس علاقے کے ساحلی بود و باش اختیار کرنے والوں اور ماہی گیروں پر کیسے اثرات مرتب کریں گے جن کے روزگار کا انحصار ہی سمندر تک آزاد اور بلا روک ٹوک رسائی پر ہے۔ اس کے علاوہ اس منصوبے پر عملدرآمد کرنے کے بارے میں بھی سوچ و بچار کرنے کی ضرورت ہے۔ ساحل اور اس کی آبی زمینوں کے حساس درختوں اور جانوروں پر کون سے خراب اثرات مرتب ہوں گے۔ سینڈز پٹ اور ہاکس بے ماحولیاتی اعتبار سے حساس علاقے ہیں جہاں کثرت سے ولدلی جنگلات، مہاجر پرندوں، سبز کچھوؤں کی پناہ گاہیں ہیں۔ ماہی حیات اور نرسریاں ہیں۔ یہ منصوبہ ساحلی ترقیاتی منصوبے کے زون 2۔بی کا احاطہ کرے گا جو تخصیص کے ساتھ یہ واضح کرتا ہے کہ اس زون میں کوئی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ شہری ترقی کی حقیقی املاک کی ترقی کی حیثیت سے غلط تعبیر نہیں کرنی چاہیے۔ کراچی کے شہریوں کے حقوق کسی بھی حالت میں قربان نہیں کیے جاسکتے کیونکہ وہ سماجی تقسیم سے ماورا ہیں۔

اراکین دھرتی

بانہہ بیلی، دی ہیلپ لائن ٹرسٹ، ایچ آر سی پی، انڈس ارتھ، انسٹی ٹیوٹ آف آرکیٹیکٹس پاکستان، کراچی ویمن پیس کمیٹی، ماہی گیر تحریک، پائیلر، ساحل بچاؤ، شہری سی بی ای، اسٹرٹھنگ پارٹیسپیٹری آرگنائزیشن (ایس پی او)، شرکت گاہ، ڈبلیو ڈبلیو ایف، پاکستان ویمن ایکشن فورم، وار اگینسٹ ریپ (ڈبلیو اے آر)، پاکستان فشر فوک فورم۔

کیونٹیوں کے حقوق پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ تمام جاری واٹرفرنٹ ترقیاتی منصوبوں کے معاملے میں ماحولیاتی اثرات کا جائزہ اورعوامی سماعت کا لازمی انعقاد کیا جائے اس بات پر بھی مزید اتفاق کیا گیا کہ پائیدار ترقی کو ساحل پر مرتکز ہونے کے بجائے طبعی جگہوں پر لازماً یکساں طور پر تقسیم ہونا چاہیے۔

مقررین نے اپنی تقاریر میں وفاقی حکومت کے 2006ء میں تجویز کردہ پروجیکٹ کا خصوصی تذکرہ کیا جس کا مقصد کچھ غیرملکی پارٹیوں کو مغرب میں کراچی کے ساحل کے ایک حصے کی فروخت اور نجکاری تھا۔

شرکاء کو یہ بھی مطلع کیا گیا کہ وسیع و عریض واٹرفرنٹ ڈیویلپمنٹ پروجیکٹ اب پس پشت چلا گیا ہے اور اس کا انحصار نئی حکومت پر ہے کہ وہ اس خیال کو اپناتی ہے یا نہیں۔حکومت ساحل کے ساتھ ساتھ 40,000 ایکڑ زمین کی پیشکش کی منصوبہ بندی کر رہی ہے جب کہ اس کی ملکیت میں صرف 19,000 ایکڑ زمین ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بقیہ زمین سینڈزپٹ اور ہاکس بے کے علاقے میں رہائش پذیر کمیونٹیوں سے حاصل کی جائے گی۔مقررین نے واٹرفرنٹ کے تحفظ پر زور دیا اور تائید کی کہ سینڈزپٹ اور ہاکس بے سمیت کراچی کی ساحلی زمین ماحولیاتی اعتبار سے حساس علاقے میں ہے اور اس کے سمندر پودوں اور دیگر حیاتیات کی خصوصی قدر و قیمت ہے۔

اس قدرتی خزانے کے تحفظ اور بچاؤ کی کوششیں کی جائیں۔سینڈزپٹ اور ہاکس بے کے علاقے حیاتیاتی تنوع سے بھرپور ہیں۔جن میں بچے دینے والے زمینی اور آبی جانور بھی شامل ہیں۔

❀❀❀

کراچی کا ترقیاتی منصوبہ 2020 (I)

ماہرین اور سول سوسائٹی کے اراکین اور این جی اوز کے نمائندوں نے اہم اور موثر ترقیاتی منصوبہ برائے کراچی 2020 (کے ایس ڈی پی۔2020) کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے ہدف کی نشاندہی واضح طور پر کرے۔

ضلعی حکومت کے ماسٹر پلان گروپ آف آفسز (ایم پی جی او) کے افتخار علی قائم خانی نے کے ایس ڈی پی۔2020 پر ایک مقالہ پیش کیا جسے سٹی کونسل نے حال ہی منظور کیا ہے۔ یہ زمین کے استعمال، ٹریفک، سیوریج ٹریٹمنٹ اور شہر کے دیگر بڑے مسائل سے متعلق ہے۔

شہر میں داخلے کی تین بڑی ٹریفک شاہراہوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے قائم خانی نے کہا۔'اس وقت شہر میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لیے تین مقامات نیشنل ہائی وے، سپر ہائی وے اور آر سی ڈی ہائی وے ہیں۔کے ایس ڈی پی۔2020 نے ٹریفک کے متعلقہ مسائل کو حل کرنے کے لیے مزید تین اور داخلی اور خارجی مقامات تجویز کیے ہیں۔

قائم خانی نے انکشاف کیا کہ شہر میں 1.5 ملین رجسٹرڈ گاڑیاں ہیں اور 600 گاڑیاں روزانہ رجسٹرڈ کی جاتی ہیں کیونکہ تمام گاڑیاں شہر کے جنوب صدر ٹاؤن کی جانب سفر کرتی ہیں اس لیے وہاں ٹریفک کا ارتکاز ہوتا ہے۔ہم نے شہر میں چھ ماس ٹرانزٹ کوریڈور تعمیر کرنے کی سفارش کی ہے اس کا مقصد شہریوں کو قابلِ برداشت اور آرام دہ ٹرانسپورٹ مہیا کرنا ہے۔

کراچی کا ترقیاتی منصوبہ 2020 (2)

اہم اور موثر ترقیاتی منصوبہ برائے کراچی (کے ایس ڈی پی) 2002ء پر ہونے والے ایک ورکشاپ کے شرکاء کا کہنا تھا کہ پورے شہر کے لیے صرف ایک ہی ادارے کو ذمہ دار ہونا چاہیے تب ہی شہری ضلعی حکومت کراچی (سی ڈی جی کے) کی طرف بھیجی جانے والی تجاویز پر مناسب عملدرآمد ہو سکے گا۔ یہ اس سلسلے کی دوسری ورکشاپ تھی۔ ایک ماہ قبل ہونے والی ورکشاپ میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی کہ کے ایس ڈی پی۔2020 سیکٹر وار تفصیلی رپورٹوں کے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے۔ میڈیا میں ورکشاپ کی بھرپور کوریج نے اس حقیقت کو مزید نمایاں کر دیا، جس کے نتیجے میں سی ڈی جی کے کے افسران نے اس موضوع پر ہونے والی

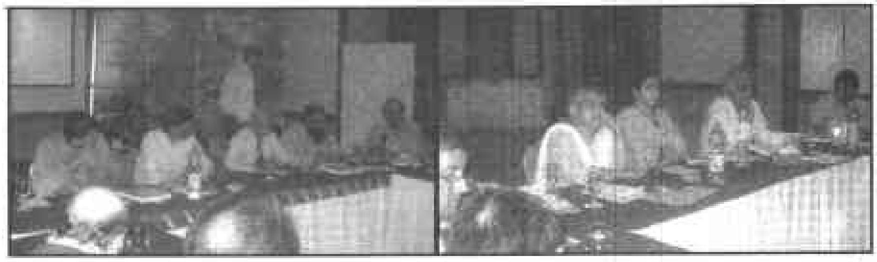

ذہن کے استعمال اور رہائشی اسکیموں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ماسٹر پلان میں نئی اسکیموں کو متعارف کرانے کی بجائے موجودہ رہائشی اسکیموں کے نفاذ کی تجویز پیش کی ہے۔

لیکن شرکاء نے الزام عائد کیا کہ زیادہ تر رہائشی اسکیموں میں کم آمدنی والے گروپوں کی بجائے سیاسی کارکنوں کو ہدف بنایا گیا ہے۔ شہر کی 70 فیصد سے زیادہ آبادی کچی آبادیوں میں رہائش پذیر ہے۔ ایک این جی او 'سائبان' کے چیئرمین تسنیم صدیقی نے کہا کہ 'کچی آبادی کے رہائشی افراد کے لیے سالانہ 60,000 سے 70,000 رہائشی پلاٹوں کی ضرورت ہے جب کہ حکومت صرف 15000 سے 20,000 پلاٹوں کی منظوری دیتی ہے۔

ایک رہائشی اسکیم کا مقصد اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب پلاٹوں کے مالکان اپنے پلاٹوں پر رہائش اختیار نہیں کرتے اور کیونکہ پلاٹ کو استعمال نہ کرنے کی فیس (این یو ایف) بہت معمولی ہے اس لیے ان کی حوصلہ شکنی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

انہوں نے شہر کے 800 گوٹھوں کا سروے کروانے کی تجویز بھی پیش کی تاکہ لینڈ مافیا کی شناخت کی جا سکے جس نے وہاں زمین پر غیر قانونی قبضہ کیا ہوا ہے۔ صدیقی نے کہا کہ وہ پہلے ہی اس تجویز کو حکومت کے سامنے پیش کر چکے ہیں لیکن ان کے مطابق حکومت نے اس تجویز کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ گوٹھوں کو قانونی درجہ دینا ہی نہیں چاہتی۔

ماہر تعمیر پروین رحمٰن نے کہا کہ ایس ڈی پی۔2020 بڑی مقدار میں پانی کی چوری کے مسئلے کو حل نہیں کرتا جو 2020 تک کم ہو کر 1200 ایم جی ڈی رہ جائے گا۔ انہوں نے صوبائی حکومت سے کراچی کے لیے پانی کے کوٹے کو بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔

شرکاء کو یقین تھا کہ دستاویز (کے ایس ڈی پی 2020) کا مرکزِ نگاہ شہری نہیں ہیں بلکہ اس میں بڑی حد تک زمین کو مرکزِ نگاہ بنایا گیا ہے۔ شریک اجلاس میں سے ایک نے کہا کہ 'اس میں ان کے نفاذ کے طریقۂ کار کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے'۔

ایک اور شریکِ اجلاس نے کہا کہ 'ماسٹر پلان میں شہر کے پارکوں اور کھلی جگہوں کے متعلق اعداد و شمار غلط بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پلان میں سیوریج کے ٹریٹمنٹ کے تذکرے میں اعداد و شمار موجود نہیں ہیں۔

کچھ شرکاء نے کہا کہ 'پلان میں ٹاؤنز کی کثرت آبادی کے بارے میں تو باتیں بہت زیادہ ہیں لیکن اس میں شہریوں کے لیے باغات، کھیل کے میدان، اسکولوں، ہسپتالوں اور کلینک کے بارے میں تفصیلات مہیا نہیں کی گئیں۔ ایک شہری نعیم صادق نے کہا۔ 'یہ تعریف بھی موجود نہیں ہے کہ کثرتِ آبادی کی زیادتی شہریوں کو مناسب سہولتیں کس طرح مہیا کرے گی'۔

اسٹیک ہولڈروں نے دریافت کیا کہ کیا یہ سب کچھ بلند و بالا عمارات تعمیر کرنے یا یہ شہریوں کے معیارِ زندگی بہتر بنانے کے بارے میں ہے؟

کے ایس ڈی پی 2020 کو تیار کرنے والی ٹیم کے سربراہ نوید ظہیر اس سلسلے میں شرکاء کے سوالات اور خدشات کی تسلی و تشفی نہ کر سکے جس کی وجہ سے شرکاء کی الجھن اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔

ایک اور شریکِ اجلاس نے کے ایس ڈی پی 2020 میں ایک اور رکاوٹ کی طرف اشارہ کیا کہ پلان میں شہر کو الگ تھلگ حیثیت میں دیکھا گیا ہے اور اس کے مضافات کو اہمیت نہیں دی گئی۔

ایک اور سوال یہ تھا کہ ویب سائٹ پر ماسٹر پلان کا حتمی اور تازہ ترین بیانیہ نہیں دیا گیا ہے جو شہریوں کے لیے انتہائی غیر منصفانہ ہے۔

قائم خانی نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی پلان کے حتمی بیان کو اسٹیک ہولڈروں کے سامنے پیش کریں گے۔ انہوں نے شرکاء سے تجاویز اور مشورے بھی طلب کیے۔

اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ شرکاء اپنی تجاویز 'شہری' کو ارسال کریں گے جو پھر ایم پی جی او کو بھیج دی جائیں گی۔

شہری سی بی ای کی دیگر تمام ورکشاپوں کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا انہوں نے ان ورکشاپوں میں مبصر کی حیثیت سے بھی شریک ہونے سے انکار کردیا۔ چنانچہ سی ڈی جی کے کا کوئی نمائندہ موقع پر موجود نہیں تھا جو ورکشاپ کے شرکاء کے سولات کا جواب دیتا۔ سیمینار کے منتظمین سے کہا گیا ہے کہ اس دستاویز پر جتنا چاہیں بحث و مباحثہ کرلیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ سٹی کونسل پہلے ہی کے ایس ڈی پی۔ 2020 کو منظوری دے چکی ہے۔

ماہرِ معاشیات قیصر بنگالی نے شہری۔ سی بی ای کی دستخطی مہم کے لیے 'ایک شہر۔ ایک نظام' کا نعرہ تجویز کیا تا کہ سی ڈی جی کے کو شہر بھر کے لیے ذمہ دار بنایا جاسکے۔ اس وقت وہ صرف 33 فیصد حصص کو کنٹرول کرتی ہے۔ پاکستان کونسل برائے ٹاؤن پلانرز اینڈ آرکی ٹیکٹس کے مسعود جعفری نے کے ایس ڈی پی۔ 2020 کا ایک خلاصہ پیش کیا۔

انہوں نے بتایا 'پروجیکٹ کا آغاز کراچی ماسٹر پلان۔ 2020 کی حیثیت سے ہوا تھا لیکن پھر اس کا نام تبدیل کرکے ایس ڈی پی۔ 2020 کردیا گیا۔ پلاننگ کمیشن کے زرائع کا کہنا ہے کہ اس نقطے کو خود پلاننگ کمیشن نے اٹھایا تھا۔ وہ سال 2030ء کے لیے کسی تصور کی تیاری میں تھے اور چاہتے تھے کہ تمام شہری منصوبے اس کے مطابق ہوں چنانچہ ماسٹر پلان کا نام تبدیل کرکے کے ایس ڈی پی رکھ دیا گیا۔

جعفری نے بتایا 'ماسٹر پلان اور حکمتِ عملی اور موثر ترقیاتی منصوبے میں فرق ہے۔ ماسٹر پلان درپیش مسائل کی تفصیلی تحقیقی رپورٹ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہر شعبے کے لیے ابتدائی تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے پھر تجاویز پیش کی جاتی ہیں اور قابل نفاذ منصوبوں کی تصریح کی جاتی ہے یعنی آپ تحقیق کرتے ہیں، اس سے ضروری مواد حاصل کرتے ہیں اور پھر ماسٹر پلان تیار کرتے ہیں۔ حقیقت میں تو یہ کراچی میں اسٹیک ہولڈروں کے لیے استصواب کی اصطلاح بھی ہے۔ شعبہ جاتی رپورٹیں ماسٹر پلان کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ جعفری نے کہا۔ دوسری طرف ایک حکمتِ عملی موثر ترقیاتی منصوبہ ایک تصور پیش کرتا ہے۔ پھر حکمت عملیاں طے کی جاتی ہیں۔ لیکن انہیں متعلقہ افراد مثلاً ٹرانسپورٹروں وغیرہ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ کیا کرنے کی ضرورت ہے۔

جعفری نے مزید کہا۔ 'حالیہ دستاویز نہ تو ماسٹر پلان ہے اور نہ ایک موثر ترقیاتی منصوبہ ہے۔ یہ تحقیق سے عاری ہے جو اسے ماسٹر پلان بناتیں اور اگر حکمتِ عملی کے پہلو کو دیکھا جائے تو اس میں اسٹیک ہولڈروں کا عزم اور سپردگی نظر نہیں آتے۔

جعفری نے کہا کہ 'دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کے ایس ڈی پی۔ 2020 میں تحریر ہے کہ سی ڈی جی کے کراچی کے کل رقبے کے صرف ایک تہائی حصے کو کنٹرول کرتا ہے۔ آپ ان علاقوں میں اپنی تجاویز کے نفاذ کی منصوبہ بندی کیسے کریں گے جو آپ کے دائرہ کار میں ہی نہیں ہیں؟ یہ کراچی کے لیے چوتھا ماسٹر پلان ہے گذشتہ تینوں ماسٹر پلان ناکام رہے ہیں خدشہ ہے کہ اس کا حشر بھی پہلے جیسا ہی ہوگا لیکن اس دفعہ فرق صرف یہ ہے کہ سی ڈی جی کے نے اسے اپنایا ہے اس لیے توقع ہے کہ سٹی گورنمنٹ سے متعلقہ حصوں پر عملدرآمد ہوگا۔

پلان کے مکمل نفاذ کے لیے سیمینار کے شرکاء نے ایک مہم چلانے کی تجویز پیش کی تا کہ سی ڈی جی کے کو پورے شہر کراچی پر یقینی کنٹرول حاصل ہو۔ جعفری نے سی ڈی اے (کیپٹل ڈیویلپمنٹ اتھارٹی) آرڈی نینس کی مثال پیش کی جو اسلام آباد میں ترقیات کی نگرانی کرتی ہے۔ جہاں نجی ملکیت کی زمین کو بھی سی ڈی اے کی منظوری کے بغیر ترقی نہیں دی جاسکتی۔ اس کے علاوہ کراچی آمدنی پیدا کرتا ہے اس حقیقت کو بھی مدِنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ کراچی خود فروغ پانے والی معیشت کا مالک ہے۔ لاکھوں افراد کی قوتِ ارادی ماضی میں حکومت کی عائد کردہ ہر مصنوعی پابندی سے زیادہ مضبوط ثابت ہوتی ہے۔ اس روشنی میں صنعتوں کو خصوصی طور پر بجلی، گیس، پانی اور ٹرانسپورٹیشن کے حوالے سے سہولتیں فراہم کی جانی چاہئیں۔ ان کے لیے بجلی پیدا کرنے والے نظام ہونے چاہئیں جبکہ پانی کے لیے صرف ایک ہی حل ہے کہ کھاری پانی کو میٹھا پانی بنایا جائے۔

جعفری نے مزید بتایا کہ دستاویز کے ساتھ ایک اور بھی مسئلہ ہے کہ اس میں تجاویز پر عملدرآمد کے لیے کسی بھی قسم کے ٹھوس اقدامات کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ کمیٹی کے ارکان یا تو بیوروکریٹس ہیں یا ریسرچ اسکالر ہیں۔ وہاں اسٹیک ہولڈروں کی مناسب نمائندگی نہیں ہے۔

ماہرِ تعمیرات عارف حسن کی طرف سے شہری۔ سی بی ای کو بھیجی ہوئی ای میل میں دستاویز کو مختصر اور اجمالی قرار دیا گیا کیونکہ یہ اصولوں اور آرزوؤں کا مجموعہ ہے اگرچہ کہ ان اصولوں میں بہت سے ماحول اور معاشرہ دوست ہیں لیکن رہائشی زمین کا استعمال اور ٹرانسپورٹ کے شعبوں میں خصوصی طور پر بعض ابہام دور نہ کیے گئے تو وہ اپنے ہدف سے بہت دور جاسکتے ہیں۔

دستاویز میں (کراچی کے لیے) وسعت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ آبادی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں کسی بھی قسم کی سائنسی تحقیق سے ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے کوئی یہ الزام لگا سکتا ہے کہ یہ منصوبہ محض حقیقی جائیداد کو ترقی دینے والا قدم ہے۔

قیصر بنگالی نے منصوبے کے پسِ پردہ مقاصد اور محرکات پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا اگر کے ایس ڈی پی۔ 2020 کے لیے ڈونر رقم مہیا نہیں کرتا تو میں ایک پروجیکٹ کے تصور یا اس کے نفاذ سے پہلے اعداد و شمار دیکھنا چاہوں گا۔ اگر میرا فیصلہ پہلے ہی طے ہوچکا ہے تو میں اعداد و شمار کو چھوڑ دوں گا۔ ان پر زور نہیں دوں گا۔ اس منصوبے کے پسِ پردہ کون سے مقاصد اور محرکات عمل پیرا ہیں؟

ورکشاپ کے شرکاء نے اس نقطے کو بھی نمایاں کیا کہ ترقیاتی منصوبے میں امن و امان کی صورتِ حال پر بات نہیں کی گئی۔ نہ ہی سی ڈی جی کے نے میگا سٹی اور ساحلی منصوبوں کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ رولینڈ ڈی سوزا نے کہا 'دستاویز میں بہت سے مثبت عوامل بھی ہیں۔ مثلاً یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں واضح طور پر کہا گیا ہے (صفحہ نمبر 202) کہ پانی کے بلند نشان سے 150 میٹر تک زمینی علاقے میں کسی بھی قسم کے ترقیاتی کام کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگرچہ کہ ان سب پر عمل کرنے کے لیے سی ڈی جی کے کو تمام کراچی پر اپنے دائرہ اختیار کی ضرورت ہوگی۔

انہوں نے مزید کہا کہ کراچی شہر کے لیے کوئی ماسٹر پلان نہیں ہے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے شہریوں کا دباؤ تھا جو کے ایس ڈی پی۔ 2020 کا محرک ہوسکتا ہے۔ آج یہ دستاویز دستیاب ہے۔ قیصر بنگالی نے فقرہ چست کیا کہ 'اور اسے بہتر بنانے کے لیے اب ہمیں مزید وبال تخلیق کرنے کی ضرورت ہے'۔

❀❀❀

ہم تاریخ کو مٹادیں اور اپنے ماضی کا کوئی نشان نہ چھوڑیں تو ہمارا مستقبل بھی تباہ و برباد ہو جائے گا۔

شہری ایڈووکیسی

شہری رپورٹ

چوکنڈی مقابر کے قریب صنعتوں کا قیام

صنعتوں سے آلودہ پانی کا اخراج ٹریفک اور دیگر منفی اثرات سے تاریخی قبرستان برباد ہوجائے گا

ہم خوفزدہ ہیں کیونکہ اس ورثے کا تقدس، مفاد پرستی اور نام نہاد صنعتی ترقی کی قربان گاہ پر قربان کردیا جائے گا (اس مقامِ ورثہ کو آثارِ قدیمہ ایکٹ 1975ء کے تحت تحفظ حاصل ہے اس کا اعلان نمبر شمار 1.57 بر بتاریخ 7 ستمبر 1995ء کو سندھ ثقافتی (تحفظ) ایکٹ 1994ء کے تحت کیا گیا تھا)۔ اگر ہم تاریخ کو مٹادیں اور اپنے ماضی کا کوئی نشان نہ چھوڑیں تو ہمارا مستقبل بھی تباہ و برباد ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی افادیت کے لیے چوکنڈی کے مقابر جیسے تاریخی مقامات کا تحفظ کریں۔ ایک تاریخی ثقافتی مقام کے تحفظ میں اس کے اطراف کے علاقے کی نگہداشت بھی شامل ہے تاکہ ماحول کا تحفظ ہوسکے۔ اس کے علاوہ نئی صنعتوں سے پیدا ہونے والی آلودگی پانی کا اخراج، ٹریفک اور دیگر منفی اثرات باقی ماندہ قبرستان کو برباد کرنے کا باعث ہوں گے۔ اس معاملے میں تحفظ کے مقامی اور بین الاقوامی اداروں سے پیشہ ورانہ اور ٹیکنیکل مشورہ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ حال ہی میں سپریم کورٹ نے اسلام آباد میں قائم دو اسٹیل ملوں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ ماحول کو آلودہ کررہی تھیں۔ یہ کیس ایک مثال بن سکتا ہے۔

غیر قانونی تجارتی تعمیر جے۔ ایم 553، جمشید کوارٹر، دادا بھائی نوروجی روڈ

ہم متعلقہ اداروں سے رہائشی پلاٹ جے ایم 553، جمشید کوارٹر، دادا بھائی نوروجی روڈ پر کی گئی غیر قانونی تعمیرات کو منہدم کرنے کے لیے قانونی اقدامات اٹھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ اس رہائشی پلاٹ کو غیر قانونی طور پر کمرشلائز کیا گیا ہے۔ بلڈرز گراؤنڈ فلور پر غیر قانونی طور پر دکانیں تعمیر/فروخت کررہے ہیں۔ ایک دوکان کی 70 لاکھ اور بالائی منزلوں پر ایک فلیٹ ایک کروڑ روپے میں فروخت ہو رہا ہے۔ قانون کے مطابق پارکنگ کی جگہ مہیا نہیں کی گئی اور منظور شدہ پلان کی خلاف ورزی کی گئی۔ معصوم شہریوں کے ساتھ دھوکہ دہی کی جارہی ہے۔ براہِ مہربانی معصوم لوگوں کو دھوکے اور فریب کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے غیر قانونی تعمیرات کو فوری طور پر سیل کیا جائے۔ کے بی سی اے کو ایس بی سی او 1979ء کی 19U/S کے تحت بلڈر، ماہرِ تعمیرات، انجینئر اور سازشی ڈی سی بی اور اے سی بی کے خلاف مقدمہ فوجداری بھی قائم کرنے چاہئیں۔

شعبہ روڈ ورکس کی نااہلی کے باعث گٹر کا ابلنا

پلاٹ نمبر A-165، سرسید روڈ، بلاک 3، پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

تین ماہ قبل پی ای سی ایچ ایس کے بلاک 2 میں تمام بڑی سڑکوں کو نیا بنانے کی غرض سے ادھیڑ دیا گیا تھا لیکن کام کی رفتار بہت سست تھی اور کھدی ہوئی سڑکوں کا تمام ملبہ بڑی سیوریج لائنوں میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت بھی سائٹ پر موجود سپروائزر سے احتجاج کیا گیا تھا جس نے نہ صرف تمام سیوریج لائنوں کی صفائی بلکہ تمام مین ہولز کے ٹوٹے ہوئے ڈھکنوں کو بھی دو دنوں میں تبدیل کرنے کا وعدہ کیا تھا جو اب تک پورا نہیں ہوا ہے۔

اب خاصے عرصے سے کام رکا ہوا ہے۔ سی ڈی جی کے نے سڑکوں کے نئے استر بچھانے کا جو اچھا کام کیا تھا وہ سب ضائع ہوجائے گا اور سڑکوں کی بالائی تہہ بھی ختم ہوجائے گی۔ کیا یہ عوام کے پیسے کو جان بوجھ کر ضائع کرنے کی ایک واضح کوشش نہیں ہے اور سیوریج کے بند ہونے اور عوام کے پیسے کے ضیاع کے لیے سی ڈی جی کے میں کس کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔

برائے مہربانی سیوریج لائنوں کو ضروری طور پر کھولا جائے تاکہ سڑک پر جمع ہونے والا سیوریج صاف ہوسکے ٹوٹے ہوئے تمام مین ہولوں کے ڈھکنوں کو تبدیل کیا جائے کیونکہ یہ زندگی کے لیے ایک مسلسل خطرہ ہیں۔ سڑک کے استر کو مکمل کیا جائے کیونکہ سڑک کی بالائی کچی سطح مسلسل مٹی دھول کی آلودگی کا باعث ہے، جس سے علاقے کے رہائش کنندگان کے لیے سانس کے مسائل پیدا ہورہے ہیں جو صحت کے لیے ایک خطرہ ہے۔

مجوزہ 460 منزلہ آئی ٹی ٹاور اور کال سینٹر، نزد سوک سینٹر، پلاٹ نمبر ایس ٹی 3، بلاک 14، گلشنِ اقبال

سی ڈی جی کے کراچی کو دنیا کے نقشے پر لانے کی جو کوششیں کررہا ہے ہم ان کی داد دیتے

ہیں۔ لیکن ہم عام لوگوں کو دستیاب اطلاعات کی قلت اور اطراف کے علاقے پر مجوزہ منصوبے کے ماحولیاتی اثرات کے بارے میں انتہائی تشویش میں مبتلا ہیں۔

یہ چند ابتدائی مسائل ہیں جن پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

1- گلشن اقبال (کے ڈی اے اسکیم نمبر24) کی بہتری کی اسکیم کی اعلان شدہ ٹاؤن پلاننگ کے مطابق یہ پلاٹ ایک پبلک بلڈنگ/ ایمنسٹی پلاٹ کا حصہ ہے (سوک سینٹر اور کے بی سی اے ایجنسی بقیہ حصے پر تعمیر ہوئے ہیں) اس سبب سے:

(a) زوننگ قواعد کے تحت ایمنسٹی پلاٹوں کے لیے پلاٹ تناسب 1:1 ہے۔ (اور یہ شاید مذکورہ بالا دونوں عمارات نے استعمال کرلیا ہے)

(b) ایک ایمنسٹی پلاٹ تجارتی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا (تجارتی دفاتر، دکانیں ہوٹل وغیرہ)

2- 14,219 مربع گز رقبے پر 250,000 مربع گز تعمیراتی رقبہ رکھنے والی عمارت کی تعمیر سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس کا پلاٹ تناسب تقریباً 1:17.6 ہوگا جو کے بی ٹی پی آر 2002 میں دستیاب زیادہ سے زیادہ پلاٹ۔ تناسب (1:6) سے کہیں زیادہ ہے بلکہ یہ تو نیویارک شہر میں دستیاب زیادہ سے زیادہ پلاٹ۔ تناسب (1:15) سے بھی زیادہ ہے۔

3- ایمنسٹی پلاٹ کا یہ حصہ سوک سینٹر، کے بی سی اے، کے ڈبلیو ایس بی، ریڈیو پاکستان اور اطراف کی دیگر سرکاری عمارات میں کام کرنے کی غرض سے آنے والوں کی 600 سے زائد کاروں کے لیے پارکنگ کی سہولت فراہم کرتا ہے جن کی اپنی کارپارکنگ کی سہولت موجود نہیں ہے۔ پھر یہ کاریں کہاں پارک ہوں گی؟ مجوزہ منصوبے میں 2100 گاڑیوں کی پارکنگ کی سہولت خود منصوبے کی گاڑیوں کے لیے ناکافی ہوگی۔

4- اس قسم کی وسیع وعریض عمارات کے بنیادی ڈھانچے اور اطراف کے علاقے پر ماحولیاتی اثرات جائزے کے لیے تحقیقی مطالعے کا ہونا بہت ضروری ہے خصوصاً جب وہ اصل ٹاؤن پلاننگ کے مساوی نہ ہو۔ اس تحقیقی مطالعے کو مندرجہ نکات کا احاطہ کرنا چاہیے۔

(a) بجلی کی دستیابی (12-15 میگاواٹ) پانی اور اس کا اخراج (200,000 گیلن/ روزانہ)۔

(b) علاقے کی آبادی میں اضافہ (تقریباً 20,000 زیادہ افراد)۔

(c) ٹریفک میں اضافہ (تقریباً 21,00 مزید کاریں)۔

ہمیں مندرجہ بالا مسائل کے حل کے لیے سی ڈی جی کے کے ساتھ تعاون کرنے میں خوشی ہوگی۔

مجوزہ سی این جی اسٹیشن
پلاٹ نمبر 591، جمشید کوارٹرز، نیو ایم اے جناح روڈ، کراچی
پلاٹ کی تبدیلی پر اعتراضات

(a) علاقے کی منصوبہ بندی (کے بی ٹی پی آر 2002، اور دیگر ٹاؤن پلاننگ قوانین کے مطابق) بشمول عوامی سہولتوں کی فراہمی، بنیادی ڈھانچے اور تفریحی سہولتوں کی روشنی میں کی جانے والی تکنیکی جواز کے تحقیقی مطالعوں کی کاپی فراہم نہیں کی گئی۔

(b) مجوزہ تبدیلی کے لیے پی ای پی اے 1997ء کے تحت اعلان کردہ آئی ای ای اور آئی اے قوانین 2002ء کے جائزہ شیڈول۔ II کے آئٹم ایچ۔1 کے مطابق کیے جانے والے ماحولیاتی اثرات کا جائزہ (ای آئی اے) کی کاپی کے ساتھ عوامی شراکتی ساعت کی تاریخ بھی مہیا نہیں کی گئی (مذکورہ قانون شور، فضائی آلودگی، افادہ عامہ کی سہولتوں، بنیادی ڈھانچے، جرائم، گردوپیش کے علاقے میں نو واردافراد کے تعارف وغیرہ سے متعلق ہے)

(c) سی این جی اسٹیشن کے لے آؤٹ کی کاپی ظاہر کرتی ہے:

(a) حفاظتی اقدامات کی تکمیل اور آلات کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی دوری۔

(b) گاڑیوں کے داخلی اور خارجی راستوں کی فراہمی اور ٹریفک پر ان کے اثرات۔

(c) گاڑیوں وغیرہ کے لیے انتظار گاہیں وغیرہ۔

کے بی ٹی پی آر اور ای پی اے میں درج شدہ تبدیلی کے طریقہ کار کی مندرجہ بالا شرائط میں سے کسی ایک پر بھی عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ شہری نے پبلک نوٹس پر اعتراض اٹھائے تھے لیکن کوئی ساعت نہیں ہوئی تو پھر پلاٹ کو کس طرح کمرشلائز کردیا گیا۔

رہائشی علاقے میں سی این جی اسٹیشن کی موجودگی پر اعتراضات

ہم آپ کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی جانب دلانا چاہتے ہیں۔

- آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی (اوگرا) نے اپنے مشروط لائسنس میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ "سی این جی اسٹیشن ایک رہائشی علاقے میں قائم نہیں ہوگا۔
- کے بی ٹی پی آر کے ضابطہ 25-12.6 کے مطابق کوئی بھی سی این جی اسٹیشن دو بڑی سڑکوں کی کراسنگ یا چوراہے کے 300 فٹ کے اندر قائم نہیں ہوسکتا۔ مجوزہ سی این جی اسٹیشن ایک بڑے انٹرسیکشن سے 240 فٹ اور دوسرے انٹرسیکشن سے 205 فٹ دور ہے۔
- اس نیو ایم اے جناح روڈ پر پی ایس او کا ایک سی این جی اسٹیشن پہلے ہی سے موجود ہے اور اوگرا کے قواعد کے مطابق دو سی این جی اسٹیشنوں کے درمیان کم سے کم فاصلہ ہونا چاہیے۔
- مجوزہ سی این جی پلاٹ کے سامنے 20 فٹ چوڑی رہائشی سڑک موجود ہے۔ کے بی ٹی پی آر 2002 کے ضابطہ 25-12.8 کے تحت انہیں صرف ایسی سڑکوں پر قائم کیا جاسکتا ہے، جن کی چوڑائی کم سے کم 60 فٹ ہو۔ کے بی سی اے/ ایم پی جی او نے مالک/ بلڈر کو 20 فٹ چوڑی سڑک کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیونکہ یہ حصہ زیادہ کشادہ (90 فٹ) ہے، جس کے نتیجے میں 20 فٹ چوڑی سڑک پر کاروں کی قطار مستقل ٹریفک جام ہونے کا ذریعہ ہوگی۔ گاڑیوں کی نقل وحرکت رہائش کنندگان کے چلنے پھرنے کی آزادی میں رکاوٹ بنے گی۔ اگر سی این جی اسٹیشن کے تمام مالکان یہ دعویٰ کریں کہ ان کے پلاٹ کے سامنے 200 فٹ چوڑی نیو ایم اے جناح روڈ ہے تو پھر انہیں صرف 200 فٹ چوڑی سڑک ہی استعمال کرنے کی اجازت دینی چاہیے اور 20 فٹ چوڑی سڑک (جو ایک سڑک سے زیادہ گلی ہے) تک رسائی کو بند کر دینا چاہیے تاکہ رہائشی علاقے کی خلوت کا تحفظ کیا جاسکے۔

کیا مجوزہ سی این جی اسٹیشن کے مالکان ایک سی این جی اسٹیشن کے بالکل برابر میں رہنا پسند کریں گے اور اپنے خاندانوں کو اس دھماکہ خیز خطرے سے دوچار کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر انہیں اپنے تخلیق کردہ خطرے سے دوسروں کو دوچار کرنے کا کیا حق ہے؟

⊛⊛⊛

ش۔فرخ

تاحدِ نظر

بولنے کی اجازت نہیں، کوئی سنتا نہیں

شاہ رکن عالم کے مزار کے احاطے میں بے پناہ رش تھا جب کوئی زندہ انسان، کوئی صاحبِ اقتدار اِن کے دُکھ نہیں سنتا تو وہ قبروں سے دل کی باتیں کہنے آتے ہیں

خانیوال کے قریب، ملتان سے تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گاؤں میں کپاس کے پھولوں اور سفید پھٹیوں کو دیکھ کر لگا جیسے کئی عشروں کا فاصلہ طے کر لیا ہو۔ نانا کے کھیتوں میں کپاس کے میٹھے پھول توڑ کر کھاتے۔ میں نے ایک پھول توڑا چبایا۔ وہاں پہلی سی مٹھاس نہیں تھی کہ عالمگیریت نے زراعت کے بیج بدل دیئے ہیں۔ ان کی فطری مٹھاس چھن گئی ہے۔ ہمارے میزبان 140 ایکڑ زمین کے مالک تھے۔ ہم ان کے ڈیرے میں بیٹھے تھے۔ کچی مٹی اور توڑی کے گارے سے بنی دیوریں اور کانوں کی چھت۔ بارہ دری کی طرز کے ڈیرے میں چارپائیوں پر کھیس اور تکیے رکھے تھے۔ ملحقہ تالاب میں بطخوں کا جوڑا تیر رہا تھا۔ کراچی کے ہمارے دوستوں کو وہ جگہ جنت نظیر لگ رہی تھی۔ ہمارے میزبان بھلے آدمی تھے۔ ان کی گفتگو دلچسپ تھی اور معلوماتی بھی۔ منڈی کے لیے کپاس ٹرک میں لادی جا رہی تھی، کچھ کسان عورتیں کپاس کی چنائی کر رہی تھیں جن میں نوجوان، درمیانی اور بڑی عمر کی عورتیں شامل تھیں۔ بڑے زمیندار کے چھوٹے بھائی ہماری فلم ٹیم کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ایک روز قبل ملتان میں ورکشاپ کے دوران کسی اور گاؤں کے نامہ نگار دن بھر کی کارروائی، جس میں کارکن طبقے کی عورتوں کی اجرتوں، امتیاز و ہراس اور انہیں درپیش مسائل کا ذکر شامل تھا۔ انہوں نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کھیت مزدوروں کی مشکلات کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہ درست نہیں ہے۔ اب کسانوں کو معقول معاوضہ ملتا ہے۔ ہم نے ان کی بات کا تعین کر لیا۔ عرض کیا کہ مکالمے اور مذاکرے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ مختلف آراء معلوم کی جائیں۔ ہمارے کچھ ساتھی پہلی بار ملتان گئے تھے۔ ان کے ہمراہ ملتان کے تاریخی مقامات دیکھنے نکلے۔ وہ جمعے کی شام تھی۔ شاہ رکن عالم کے مزار کے احاطے میں بے پناہ رش تھا۔ دیگیں چڑھی تھیں۔ لوگ ٹولیوں میں احاطے کے اینٹوں کے فرش پر بیٹھے تھے۔ اس انتظار میں کہ لنگر تیار ہو، بہت سے افراد دیگوں کے اردگرد جمع تھے۔ یہ ہجوم دھرتی کے انسانوں پر مشتمل تھا کہ جب کوئی زندہ انسان، کوئی صاحبِ اقتدار ان کے دکھ نہیں سنتا تو وہ قبروں سے دل کی باتیں کہنے آتے ہیں۔ وہ ماضی کے اولیائے کرام کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور جب ان کی مرادیں، ان کے منتیں پوری ہو جاتی ہیں تو دال روٹی لے کر یہاں آتے ہیں، خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ ہم نے بھی چپاتی پر رکھی چنے کی لذیذ دال کھائی۔ یہی ان کی خوشی ہے۔ یہی ان کی دعوت ہے۔

سامنے مویشی خانے میں ایک دبلا پتلا مزدور، جس کے جسم پر قمیص نہیں تھی، پھاوڑے سے بھینسوں کا گوبر صاف کر رہا تھا۔ زمیندار کہہ رہے تھے کہ مال مویشی رکھنا عزت کی نشانی ہے۔ جس کے پاس ایک دو بھینسیں ہوں تو کہتے ہیں یہ معمولی ساز میندار ہے۔

دس بارہ بھینسوں والے کو خاندانی زمیندار سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے فرمائش کر کے چاٹی کی لسی منگوائی۔ کچھ دیر بعد ایک ساتھی نے ان سے اجازت مانگی۔ میزبان نے کہا 'یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری روایت ہے، ہم اپنے مہمانوں کو کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دیتے'۔ کچھ دیر میں دیسی گھی میں بکرے کا بھنا گوشت اور تنوری روٹیاں آ گئیں۔ برسوں بعد ایک بھولا بسرا ذائقہ منہ میں آیا۔ کھیتوں سے گھرے تالاب کے کنارے لامیاں پھدک رہی تھیں۔ زمیندار نے بتایا کہ اس کھانے میں کچھ بھی باہر کا نہیں ہے۔ یعنی اپنے کھیتوں کی گندم، اپنی بھینسوں کا دودھ سے بنایا ہوا دیسی گھی۔ جی چاہا گھر کے اندر جا کر کھانا تیار کرنے والی بیبیوں کا شکریہ ادا کریں مگر میزبان کا رویہ کچھ ایسا تھا کہ اپنی اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔ ہماری فلم ٹیم شوٹنگ سے لوٹی تو ڈائریکٹر کا مزاج کچھ اچھا نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ چھوٹے زمیندار نے کسان عورتوں سے گفتگو کرنے سے منع کر دیا تھا۔ کہا کہ عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں۔ آپ نے جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھیں۔ کچھ عورتوں نے اشارہ کیا تھا ہم چنی ہوئی کپاس کی گٹھریاں بنالیں تو واپسی پر آپ سے بات کریں گے۔ وہ ڈیرے کے قریب آ کر رک گئیں۔ فلم میکر نے کیمرہ سنبھالا کہ وہ اپنا کام مکمل کرے۔ احاطے سے آواز آئی 'جاؤ چل کر گھر کا کام ختم کرو'۔ ٹیوب ویل چلا تو پانی کا تیز دھارا گاتا ہوا تالاب میں گرنے لگا۔ کچھ کھیت مزدور کام کر کے لوٹ رہے تھے، انہوں نے کپڑے اتارے اور انہیں پانی میں دھونے لگے۔ ان کے جسم پر صرف لنگوٹی تھی۔ وہ اپنے سنولائے ہوئے جسم کو مل مل کر دھو رہے تھے۔ کسی کراچی والے نے پوچھا 'یہ صابن کے بغیر ہی نہا رہے ہیں!' ان کے مالک کا جواب تھا، یہ اگر صابن سے نہائیں گے اور اپنے میلے کپڑے دھوئیں گے تو ان کی تنخواہ اسی میں ختم ہو جائے گی۔

کتنی تنخواہ؟؟؟؟ ❀❀❀

کپاس کا پھول چبایا، وهاں پھلی سی مٹھاس نهیں تھی، عالمگیریت نے زراعت کے بیج بدل دئیے هیں ان کی فطری مٹھاس چھن گئی هے

ٹیپو سلطان روڈ کو سرکاری طور پر رہائشی سڑک قرار دیا گیا ہے لیکن علاقے بھر میں بااثر تجارتی اداروں کا ناجائز قبضہ ہوچکا ہے۔

رہائشی علاقوں میں غیر قانونی عمارات

رہائشی علاقوں میں دخل اندازی کرنے والے تجارتی ادارے بااثر ہیں وہ عدالتوں میں مقدمات کرکے رہائشیوں کو پریشان کرتے ہیں

شہری زمین کا انتظام

شہری رپورٹ

گذشتہ چند برسوں میں کراچی کے رہائشی علاقوں پر تجارتی دفاتر/ دکانیں/ غیر قانونی عمارات نے زبردستی قبضہ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے بہت سے رہائشی زون مکمل طور پر تجارتی ضلعوں میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ رہائشی علاقوں میں غیر قانونی قبضوں کی کیا وجوہات ہیں؟

ایک بڑی وجہ تجارتی علاقوں کے مقابلے میں رہائشی علاقوں کا کم قیمت ہونا ہے۔

بنیادی ڈھانچہ (بجلی، پانی کی فراہمی، سیوریج) بہت سے رہائشی علاقوں میں بہتر ہے۔ سرکاری طور پر قائم کردہ تجارتی وکاروباری علاقوں کے مقابلے میں رہائشی علاقوں میں کم آبادی اور کم بھیڑ بھاڑ ہے۔ قوانین پر عملدرآمد کرانے میں غفلت اور لاپروائی برتنا ہی مسئلے کی بڑی وجہ ہے۔ زوننگ/ بلڈنگ قوانین کے نفاذ کو یقینی بنانے والے سرکاری افسران/ انسپکٹر انچارج کھلے عام بدعنوان ہیں یا بے حس ہیں۔ رہائشی علاقوں میں تجارتی دست اندازی کو روکنے کے لیے رہائش کنندگان کے لیے عدالتوں سے رجوع کرنے کا ہی واحد راستہ بچتا ہے۔ اگرچہ کہ یہ ایک مہنگا اور وقت صرف کرنے کا عمل ہے۔

رہائشی علاقوں میں دخل اندازی کرنے والے تجارتی ادارے بااثر ہیں۔ وہ ذہین وکلاء کا استعمال کرتے ہیں اور ان کے پاس اتنے ذرائع ہوتے ہیں کہ وہ یکے بعد دیگر مختلف عدالتوں میں مقدمات دائر کرکے اصل رہائش کنندگان کو پسپا ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔ بہت سے رہائش کنندگان تجارتی انٹر پرائز کے حاوی ہونے کے بعد علاقے سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ پورے علاقے کے انحطاط میں تیزی آجاتی ہے۔

غیر قانونی کمرشلائزیشن کے نتائج کیا ہوں گے؟ ایک مکان میں شاید آٹھ افراد رہائش پذیر ہوتے ہیں لیکن جب اسی مکان میں ایک تجارتی ادارہ قائم ہوتا ہے تو علاقے میں 10 یا 100 افراد مزید آتے ہیں۔ زیادہ تر گھروں میں ایک یا دو کاریں ہوتی ہیں جو گھروں کے اندر ہی کھڑی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک تجارتی ادارے میں 50 یا 100 لوگوں کو اپنی کاریں اور موٹر سائیکلیں کھڑی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ یہ کاریں اور موٹر سائیکلیں سڑک پر پارک ہوتی ہیں یا فٹ پاتھ پر قابض ہوتی ہیں۔

افادہ عامہ کی سہولتیں (پانی، بجلی اور سیوریج) بہت زیادہ دباؤ کا شکار ہوتی ہیں اور اکثر نتیجہ ان کی ٹوٹ پھوٹ اور تباہی کی

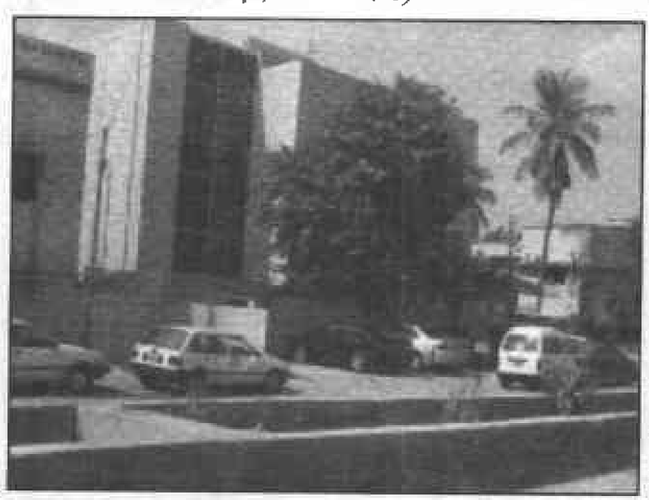

شہری نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) اور دیگر سرکاری اہل کاروں کو ٹیپو سلطان روڈ پر غیرقانونی تجارتی دفاتر سمیت مختلف مقامات پر متنوع خلاف ورزیوں کے بارے میں خطوط لکھے ہیں اور باتصویر معلومات ارسال کی ہیں لیکن ہمیشہ کی طرح عملی قدم تو درکنار، وصولیٔ خط کی اطلاع تک ندارد ہے

صورت میں نکلتا ہے، کیونکہ غیرقانونی تجارتی انٹرپرائزز کے کارکنان کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ رہائشی علاقوں میں رہائش پذیر لوگوں کو ماحولیاتی تنزلی اور یکسوئی کی کمی کا سامنا ہوتا ہے۔

ایک رہائشی علاقے کا قصہ:

ٹیپوسلطان روڈ کو سرکاری طور پر رہائشی سڑک قرار دیا گیا ہے لیکن علاقے بھر میں بااثر تجارتی اداروں کا ناجائز قبضہ ہوچکا ہے۔ تصویر نمبر ایک میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ غیرقانونی بلڈنگ کے مالک نے فٹ پاتھ پر دیوار تعمیر کی ہے۔ فٹ پاتھ کے قبضے کو قریب سے دیکھیں تو فٹ پاتھ پر باڑھ دکھائی دے گی اور مسلح سیکورٹی گارڈ محافظت کے لیے موجود ہیں۔ چونکہ پارکنگ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے دفتر کا عملہ/ ملاقاتی اپنی کاریں فٹ پاتھ اور سڑکوں پر پارک کرتے ہیں۔ پارکنگ کے لیے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دفتری گاڑیاں اطراف کی گلیوں میں پارک کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے دیگر رہائشیوں کے لیے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ گلیوں میں رہنے والوں نے مجبور ہوکر اپنے گھروں کے سامنے پتھریلی رکاوٹیں لگادی ہیں، تاکہ اپنے گھروں کے سامنے دفتری گاڑیوں کو کھڑا ہونے سے روک سکیں۔ بہ دیگرِ صورت وہ اس مسئلے کے ضمن میں بے بس ہیں۔

کیا کوئی حل ہے؟

حکومت اکثر غیرقانونی کمرشلائزیشن کو روکنے میں اپنی دلچسپی کا دعویٰ کرتی ہے۔ شہری نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) اور دیگر سرکاری اہل کاروں کو ٹیپوسلطان روڈ پر غیرقانونی تجارتی دفاتر سمیت مختلف مقامات پر متنوع خلاف ورزیوں کے بارے میں خطوط لکھے ہیں اور باتصویر معلومات ارسال کی ہیں لیکن ہمیشہ کی طرح عملی قدم تو درکنار، وصولیٔ خط کی اطلاع تک ندارد ہے۔

کیا اس مسئلے کا کوئی حل بھی ہے یا پسماندہ تجارتی علاقہ بننا کراچی کا نصیب ہے۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) بلڈنگ پلان کی منظوری دیتی ہے اور ان کے انسپکٹر تعمیراتی عمل کے ہر مرحلے پر زیرِتعمیر

عمارت کا معائنہ کرتے ہیں۔ ایک بلڈنگ کی تعمیر اس وقت تک جاری نہیں رہ سکتی جب تک انسپکٹر یہ تصدیق نہ کردے کہ تعمیر منظور شدہ پلان کے مطابق ہے ایک عمارت جس کی تعمیر میں خلاف ورزیاں ہوتی ہوں وہ کے بی سی اے کے عملے کی ملی بھگت کے بعد ہی تعمیر ہوسکتی ہے۔ کے بی سی اے کے عملے کو فوری طور پر ملازمت سے برخاست کردینا چاہیے۔ اس موقع پر کے بی سی اے کے عملے کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عدالتوں کو اس حقیقت سے بالاتر ہوکر فیصلے دینے ہوں گے کہ کس فریق کا وکیل زیادہ زیرک اور ہوشیار ہے۔ زوننگ کی خلاف ورزیاں اور تعمیرات کے قوانین کی خلاف ورزیاں عوامی دلچسپی کی مقدمہ بازی (PIL) کا حصہ ہیں۔ اگر عمارت منظورشدہ پلان کے خلاف بنی ہے یا زوننگ کی واضح خلاف ورزی کی گئی ہے تو پھر ملزمان کے خلاف فوری اقدام اٹھانا چاہیے۔ زمین کے استعمال کی تبدیلی کے معاملے میں ادارہ برائے ماحولیاتی تحفظ (ای پی اے) کو ماحولیاتی اثرات پر ایک مناسب تحقیقی مطالعے کو یقینی بنانا چاہیے۔

❀❀❀

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے
ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔
شہری برائے بہتر ماحول۔ 206جی۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان
ٹیلی فون/ فیکس: 4382298 - 4530646(92-21)
E-mail address:
Shehri@cyber.net.pk * info@shehri.org
(Web site) URL:http//www.onkhura.com/shehri

نام ______ ٹیلی فون (گھر) ______
ایڈریس ______
پیشہ ______ ٹیلی فون (دفتر) ______

شہری کی رکنیت

2009ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ 'شہری' میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

بجلی کے بریک ڈاؤن سے سپلائی میں انتشار اور کمی پیدا ہوتی ہے اور شیڈول پر عملدرآمد نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی اور انتظام کے شدید مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پانی کا مسئلہ

شہری رپورٹ

کراچی میں پانی کی فراہمی میں درپیش مسائل

پانی کی تقسیم کے بڑے بڑے پائپوں کی تحریری دستاویز کے ڈبلیوایس بی کے فیلڈ اسٹاف کے پاس دستیاب ہے جسے جدید تر بنانے کی ضرورت ہے

حال ہی میں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ نے کراچی میں پانی کے شعبے میں ایک تحقیقی مطالعہ کیا جس سے چند نئے پہلوؤں کا انکشاف ہوا۔ اس مطالعے کے نتائج پر بحث درجِ ذیل ہے۔

سپلائی کا ذریعہ:

کراچی میں پانی کی سپلائی کے دو ذرائع ہیں۔

i۔ دریائے سندھ 1200 کیوسک پانی روزانہ سپلائی کرتا ہے جو 645 ایم جی ڈی کے برابر ہے۔

ii۔ حب ڈیم تقریباً 50 ایم جی ڈی فراہم کرتا ہے حب ڈیم بارش کے جمع شدہ پانی کو سپلائی کرتا ہے اس لیے اس میں 30-75 ایم جی ڈی کے درمیان کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔

کراچی کو پانی کی کل سپلائی 695 ایم جی ڈی ہے لیکن دھابے جی پمپنگ اسٹیشن سے پہلے ہی 30 ایم جی ڈی پانی اسٹیل مل اور پورٹ قاسم کو فراہم کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ شہر کے لیے صرف 665 ایم جی ڈی پانی بچتا ہے۔

بڑی مقدار میں تقسیم:

دریائے سندھ سے پانی کی فراہمی نہروں کے ذریعے کینجھر، ہالیجی اور گھارو سے ہوتی ہے جو پائپوں کے ذریعے دھابیجی پمپنگ اسٹیشن تک پہنچتا ہے پھر پانی پائپوں کے ذریعے تقسیم ہوتا ہے ان تقسیم کار بڑے پائپوں کا قطر 66 انچ اور اس سے کم ہوتا ہے۔ راستے تقسیم کردیئے گئے ہیں۔ (اے) ناردرن: یہ پپری سے آتا ہے اور ملیر کنٹونمنٹ کے کچھ علاقوں، گلشن، سی او ڈی ریزروائر، گلشن ٹاؤن اور پھر گڈاپ کے کچھ حصوں نارتھ کراچی، این ای کے، نارتھ ناظم آباد، گلبرگ، لیاقت آباد اور لیاری کے کچھ حصوں تک پہنچتا ہے۔ (بی) سدرن: بن قاسم ٹاؤن، لانڈھی، کورنگی، نیشنل ہائی وے کے ساتھ ساتھ شاہ فیصل کالونی، جمشید ٹاؤن، صدر ٹاؤن (بشمول ڈیفنس۔کلفٹن) لیاری اور کیماڑی۔ پانی کے یہ بڑے پائپ کچھ مقامات پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ حب کا ذریعہ سپلائی خصوصی طور پر اورنگی سائٹ اور بلدیہ ٹاؤن کے لیے ہے۔ حب اور دریائے سندھ پانی کی فراہمی اس سطح پر سے کرتے ہیں جہاں پانی تقسیم کرنے والے بڑے پائپ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پانی کی فراہمی حسبِ ضرورت تقسیم کی جاتی ہے۔

اضلاع کا کوٹہ:

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ (کے ڈبلیو ایس بی) کو مختلف اضلاع، کنٹونمنٹ اور ڈی ایچ اے کے پانی سپلائی کرنے کے لیے 417.65 ایم جی ڈی کا کوٹہ دستیاب ہے۔ لیکن اضلاع تک پہنچنے والا پانی صرف 293 ایم جی ڈی ہے۔ سات ضلعوں اورنگی، گڈاپ، بلدیہ، جمشید، سائٹ، نارتھ کراچی اور گلشن اپنے کوٹے کا صرف 30-57 فیصد پانی حاصل کرتے ہیں۔ دیگر کو 60-100 فیصد پانی ملتا ہے۔ کنٹونمنٹ کو 100 فیصد اور ڈی ایچ اے کو 133 فیصد پانی ملتا ہے۔ تفصیلات ضمیمہ 2 میں دی گئی ہیں۔

ٹینکروں کے ذریعے پانی کی سرکاری سپلائی:

کے ڈبلیو ایس بی کے نو سرکاری ہائیڈرنٹ ہیں۔ جن کا انتظام رینجرز کے پاس ہے اور وہ ٹینکروں کے ذریعے پانی فراہم کرتے ہیں۔ سرکاری منظور شدہ پانی کی مقدار 13.75 ایم جی ڈی ہے جس کو ٹینکروں کے 13750 پھیروں کے ذریعے فراہم کیا جانا چاہیے لیکن حقیقت میں 25 ایم جی ڈی پانی ٹینکروں کے 8377 پھیروں کے ذریعے سپلائی ہوتا ہے۔ سروے کی تفصیلات ضمیمہ 3 میں دی جا رہی ہیں۔

ٹینکروں کے ذریعے پانی کی فراہمی کی سرکاری قیمت 15 پیسے/گیلن سے 25 پیسے/گیلن ہے۔ قیمت کا انحصار فاصلے اور رہائشی یا تجارتی استعمال پر ہے۔ 1000 گیلن پانی کی قیمت 150 سے 250 روپے، 2000 گیلن پانی کی قیمت 300-450 روپے، 3000 گیلن کی قیمت 450-800 روپے اور 5000 گیلن کی قیمت 1200 روپے مقرر ہے لیکن درحقیقت یہ نرخ دگنے سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ فاصلہ گاہک سے بھاؤ تاؤ اور موسم پر انحصار کرتے ہوئے نرخ 35-60 پیسے/گیلن ہیں۔ چنانچہ اب 1000 گیلن پانی کے نرخ 350 سے 600 روپے، 2000 گیلن پانی 700 سے 1200 روپے، 3000 گیلن پانی 1600 سے 1800 روپے، 5000 گیلن پانی 2000 سے 2400 روپے ہیں۔ لہٰذا پانی کی فروخت سے اوسطاً 10 ملین روپے روزانہ کی آمدنی ہوتی ہے جو مختلف کرداروں کے درمیان تقسیم کی جاتی ہے۔

ٹینکروں کے ذریعے پانی کی غیر سرکاری فراہمی:

سرکاری ہائیڈرنٹ کے علاوہ بہت سے غیر سرکاری ہائیڈرنٹ پانی بھرنے کے مراکز کراچی بھر میں موجود ہیں۔ یہ زیادہ تر پانی کی بڑی مقدار کو تقسیم کرنے والے بڑے پائپوں کے نزدیک قائم ہیں۔ کراچی میں ایسے چھ مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں پانی بھرنے کے کئی مراکز اور ہائیڈرنٹ اکٹھا ہیں (i) منگھوپیر روڈ کے ساتھ ساتھ حب ریزروائر سے بنارس چوک (ii) بنارس چوک سے گٹر باغیچہ (iii) لیاری ندی کے ساتھ ساتھ میوہ شاہ قبرستان سے شیر شاہ (iv) نزد صبا سینما، ایوب گوٹھ، نارتھ کراچی سے گڈاپ ٹاؤن تک (v) نیشنل ہائی وے کے ساتھ ساتھ۔ ملیر (vi) لال آباد لانڈھی۔ اب تک 161 غیر سرکاری ہائیڈرنٹ/پانی بھرنے کے مراکز کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔

تمام ٹاؤنز میں ان کے علاوہ بھی اور بہت سے پانی بھرنے کے مراکز کی اطلاع دی جا چکی ہے۔ نو غیر سرکاری ہائیڈرنٹ کا نمونہ سروے کیا گیا یہ بڑی سڑکوں کے ساتھ واقع ہیں اور ان غیر سرکاری ہائیڈرنٹ/پانی بھرنے کے مراکز میں سے چار سے 19.78 ایم جی ڈی پانی سپلائی ہوتا ہے۔

نجی ٹینکرز ایسوسی ایشن:

پرائیویٹ ٹینکرز ایسوسی ایشن کے مطابق ان کے ممبران 5000 ٹینکروں کے مالک ہیں ان میں سے 60 فیصد ٹینکر 5000 گیلن، 30 فیصد 2000 سے 3000 گیلن اور 10 فیصد 1000 گیلن پانی کی گنجائش رکھتے ہیں۔ ایک ٹینکر روزانہ 10 سے 12 پھیرے لگاتا ہے۔ یعنی کل 50,000 سے 60,000 پھیرے لگتے ہیں اور تقریباً 185.222 ایم جی ڈی سپلائی کیا جاتا ہے جس میں سے 70 فیصد پانی صنعتوں کو سپلائی ہوتا ہے۔

صنعتی علاقوں کے لیے سپلائی:

پانچ صنعتی علاقوں کے لیے کے ڈبلیو ایس بی کا کوٹہ 146 ایم جی ڈی ہے۔ لانڈھی کے لیے 13 ایم جی ڈی، کورنگی کے لیے 14 ایم جی ڈی، نارتھ کراچی کے لیے 15 ایم جی ڈی اور فیڈرل بی ایریا کے لیے 3 ایم جی ڈی مخصوص ہے۔ یہ کوٹہ اضلاع کو پانی کی فراہمی میں شامل ہے۔

صنعتوں کے لیے میٹھے پانی کی ضرورت 100 سے 145 ایم جی ڈی کے درمیان ہے۔ 90 فیصد یعنی 90 سے 131 ایم جی ڈی کی ضرورت ٹینکروں کے ذریعے پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یوں لگتا ہے کہ کے ڈبلیو ایس بی کا کوٹہ صنعتی علاقوں تک پہنچتا ہی نہیں ہے۔

رہائش کنندگان کے لیے کم سے کم ضرورت:

سروے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نچلی آمدنی اور نچلی درمیانی آمدنی والے رہائش کنندگان کی پانی کی کم سے کم ضرورت تقریباً 20 گیلن فی آدمی روزانہ ہے۔

کراچی کی آبادی 16 ملین ہے اور کم سے کم پانی کی ضرورت 20 گیلن فی فرد روزانہ کے حساب سے اس کی ضرورت 320 ایم جی ڈی کی ہے۔ صنعتوں کی

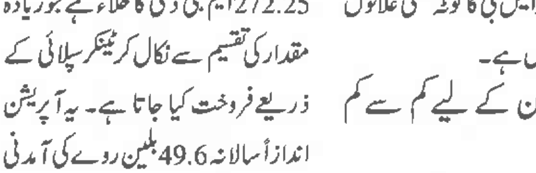

اوسطاً ضرورت 123 ایم جی ڈی ہے۔ دیگر استعمال کے لیے 110 ایم جی ڈی کا حساب لگایا گیا ہے۔ اس طرح یہ کل 553 ایم جی ڈی ہو جاتے ہیں۔ اگر اعلیٰ آمدنی رکھنے والوں کی ضروریات کو شامل کر لیا جائے (مثلاً آبادی کے 20 فیصد کے لیے مزید 15 گیلن فی فرد روزانہ کا اضافہ) تو کل مجموعی مقدار 601 ایم جی ڈی تک جا پہنچتی ہے۔

اضلاع کو زیادہ مقدار میں پانی کی فراہمی 293 ایم جی ڈی ہے۔ اس طرح 260 سے 308 ایم جی ڈی کی کمی کو ٹینکر سپلائی سے پورا کیا جاتا ہے۔

کراچی کی زیادہ مقدار کی فراہمی 665 ایم جی ڈی ہے۔ تکنیکی رساؤ کے باعث 15 فیصد پانی ضائع ہو جاتا ہے۔ دستیاب فراہمی 565.25 ایم جی ڈی ہے۔ اصل فراہمی اور دستیابی کے درمیان 272.25 ایم جی ڈی کا خلاء ہے جو زیادہ مقدار کی تقسیم سے نکال کر ٹینکر سپلائی کے ذریعے فروخت کیا جاتا ہے۔ یہ آپریشن اندازاً سالانہ 49.6 بلین روپے کی آمدنی پیدا کرتا ہے (اوسطاً قیمت 0.5 روپے/گیلن)۔

سروے کیے گئے نو ہائیڈرنٹ 20 ایم جی ڈی پانی سپلائی کرتے ہیں۔ ان اعداد و شمار کا رپورٹ کیے گئے 161 ہائیڈرنٹ سے اندازہ لگایا گیا پتہ چلا

کہ وہ تقریباً 358 ایم جی ڈی سپلائی کرسکتے ہیں۔ 25 ایم جی ڈی سرکاری ہائیڈرنٹ سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ 333 ایم جی ڈی غیر سرکاری ہائیڈرنٹ کے ذریعے سپلائی ہوتا ہے 86 ایم جی ڈی کھاری پانی بھی سپلائی ہوتا ہے جو کچھ صنعتیں اور کچھ پانی کی کمی کا شکار علاقوں کے رہائش کنندگان استعمال کرتے ہیں۔

بجلی کے نرخ:

برقی سلسلہ بار بار منقطع ہونے سے پانی کی فراہمی کی مقدار اور اوقات دونوں ہی متاثر ہوتے ہیں۔ زیادہ تر پانی مشینوں سے کھینچا جاتا ہے۔ چنانچہ پانی کی فراہمی کا انحصار بجلی کی فراہمی پر ہے۔ متعدد بار غیر اعلانیہ بجلی منقطع ہونے سے علاقوں کو پانی کی فراہمی کے اوقات میں خلل پڑتا ہے جس کے نتیجے میں فراہمی میں بے قاعدگی پیدا ہوتی ہے اور پانی کی قلت کے باعث علاقوں میں تنازعات، تشدد اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ کسی منصوبہ بندی کے بغیر کنکشن لیے جاتے ہیں اور سکشن پمپوں کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے۔

بڑی مقدار میں پانی کی فراہمی کے دوران 15 منٹ کے لیے بھی بجلی کا سلسلہ منقطع ہو تو فراہمی میں 3 سے 4 گھنٹے کا تعطل ہوسکتا ہے۔ اکثر اوقات اس کی وجہ سے رساؤ پیدا ہوتا ہے اور زیادہ مقدار میں پانی واپس آتا ہے جس کے دباؤ کے باعث پائپ پھٹ جاتے ہیں۔ زیادہ مقدار کے پانی کے پمپنگ اسٹیشنوں (پی ایس) ٹاؤن کے پی ایس اور علاقے کے پی ایس پر بجلی کی فراہمی کو ہم وقت ہونا چاہیے تاکہ شیڈول پر عملدرآمد ممکن ہوسکے۔ تمام اضلاع بجلی کے نہ ہونے کی شکایت روزانہ کرتے ہیں۔ پانی کی زیادہ مقدار کے پانچ پی ایس (دھابیجی، پپری، سی او ڈی، این ای کے اور حب) پر جنریٹر موجود ہیں لیکن وہ موثر طور پر کام نہیں کرتے۔ جنریٹر چلانے میں بھی وقت لگ جاتا ہے کے ڈبلیو ایس بی ایک عرصے سے بی او آئی کی بنیاد پر چار بڑے بلک واٹر پمپنگ اسٹیشنوں کے لیے پاور پلانٹ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن یہ منصوبہ اب تک حقیقت کا روپ نہیں دھار سکا ہے۔ ٹاؤن اور علاقے کے پی ایس کے لیے اسٹینڈ بائی جنریٹر لگا دیئے گئے ہیں۔

کے ڈبلیو ایس بی کی تنظیمی مشکلات:

منصوبہ بندی کے بغیر کنکشن: تمام اضلاع میں ایسے سرکاری اور غیر سرکاری کنکشنوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ سکشن پمپوں کا استعمال عام ہے۔ جس کے نتیجے میں دباؤ میں کمی ہوتی ہے اور پانی کی تقسیم منصفانہ نہیں ہوتی۔ ہر جگہ پانی کے پائپوں پر عمارات کے توسیعی برآمدوں یا حصوں کی تعمیر کے مسائل ہیں جس کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال میں حد درجہ مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اگر محکمہ ایسی غیر قانونی تعمیرات کے خلاف قدم اٹھاتا ہے تو اسے مالکان کی جانب سے پُرتشدد ردِعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تمام ٹاؤنز میں تکنیکی تربیتی عملے کا فقدان ہے 1994ء سے کے ڈبلیو ایس بی میں نئی بھرتیوں پر پابندی کے باعث صورتِ حال اور زیادہ گمبھیر ہوگئی ہے۔ زیادہ تر ٹاؤنز میں صرف 4-5 تکنیکی طور پر تربیت یافتہ فیلڈ اسٹاف ہے۔ مثلاً انجینئر یا ڈپلومہ ہولڈرز۔ زیادہ عملی (آپریشنل) کام (مثلاً والو آپریشن، انتظام اور مرمت وغیرہ) وہ لوگ سرانجام دے رہے ہیں جو فٹرز، بیلدار اور قلیوں کے عہدوں پر ہیں اور جنہوں نے کام کو اپنی ملازمت کے دوران سیکھا ہے۔

بہت سی جگہوں پر رہائش کنندگان نے خود اپنے والو مین ملازمت رکھ لیے ہیں کے ڈبلیو ایس بی نے ہر ٹاؤن کے لیے اسی طرح 10-15 اور والو مینوں کو یومیہ اجرت پر 2007ء میں ملازم رکھا تھا۔

موجودہ نظام خصوصی طور پر پانی کی تقسیم کے بڑے بڑے پائپوں کی تحریری دستاویز کے ڈبلیو ایس بی کے فیلڈ اسٹاف کے پاس دستیاب ہے جسے جدید تر بنانے کی ضرورت ہے۔

کے ڈبلیو ایس بی کا او اینڈ ایم بجٹ بہت تھوڑا ہے اور ہر ٹاؤن کے لیے صرف 1.2 ملین روپے مخصوص ہیں۔ ترقیاتی منصوبے اور مرمت کے کام دوسرے فنڈز مثلاً تعمیرِ کراچی پروگرام، صوبائی اور شہری حکومت کا سالانہ ترقیاتی پروگرام اور ایم این اے، ایم پی اے، یوسی اور ٹاؤن ناظم کے فنڈز سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ بڑی لائین کے زیادہ تر کام کے ڈبلیو ایس بی کے ذریعے کیے جاتے ہیں دیگر ثانوی اور گلی کی سطح کے کام مثلاً پائپ لائنیں ڈالنے، والو لگانے اور مرمت کے کام سٹی گورنمنٹ ٹاؤن، یوسی، ایم این ایز، ایم پی ایز اور رہائش کنندگان کے ڈبلیو ایس بی سے بالا ہو کر کرالیتے ہیں۔

کے ڈبلیو ایس بی کا سالانہ بجٹ (2007-2008) 5.3 بلین روپے کا ہے۔ 2 سے ڈھائی بلین روپے پانی اور سیوریج کے ٹیکس کی مد میں وصول کیے جاتے ہیں۔ بقیہ حکومت کی امداد ہوتی ہے۔ حکومت اور دیگر اداروں پر کل 18.678 بلین روپے واجب الادا ہیں۔

سب کے لیے پانی کی فراہمی مناسب قیمت پر ممکن ہے:

کے ڈبلیو ایس بی کا سالانہ بجٹ 5.3 بلین روپے ہے جبکہ 272 ایم جی ڈی کی فروخت سے 49.6 بلین روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اگر ان اعداد و شمار کا موازنہ کیا جائے تو 49.6 بلین روپے یوں ہی بے کار ضائع ہو جاتے ہیں اور ٹینکروں کے ذریعے پانی فراہم کیا جاتا ہے اس سے صورتِ حال کی ستم ظریفی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر کے ڈبلیو ایس بی یہ پانی خود سپلائی کرسکے تو وہ نہ صرف منافع کما سکے گا بلکہ سب کو شائستہ اور قابلِ برداشت قیمت پر پانی بھی مہیا کرسکے گا۔

مثال: اگر صرف کم سے کم ضرورت 20 گیلن پانی/فی فرد/روزانہ شائستہ قیمت 5 پیسے/گیلن پر دیا جائے تو سالانہ 5.8 بلین روپے کی آمدنی پیدا کی جاسکتی ہے جو کے ڈبلیو ایس بی کے سالانہ بجٹ سے زیادہ ہے۔ بقیہ پانی تقریباً 245 ایم جی ڈی کو موجودہ اوسط پر ٹینکر سپلائی کے ذریعے 50 پیسے/گیلن کے نرخ پر فروخت کرکے 44.7 بلین روپے سالانہ کمائے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک بڑا بونس ہے جسے مندرجہ ذیل مسائل نمبر 2 اور 3 کو حل کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ترجیحی مسائل:

1- ٹینکروں کے ذریعے پانی کی بڑی مقدار کی تقسیم اور فراہمی سے 272 ایم جی ڈی (41 فیصد) نکل جانے والا پانی منافع پر فروخت ہوتا ہے اور 49.6 بلین روپے کی آمدنی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک قابلِ منافع متوازی سپلائی ہے۔

2- بجلی کے بریک ڈاؤن سے سپلائی میں انتشار اور کمی پیدا ہوتی ہے اور شیڈول پر عملدرآمد نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی اور انتظام کے شدید مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔

کے ڈبلیو ایس بی کی تنظیمی مشکلات مثلاً ٹیکنیکل اسٹاف، دیکھ بھال اور انتظام کا ناکافی بجٹ، وفاقی حکومت سے واٹر/سیوریج کے ٹیکس کی وصولی کا فقدان اور حکومت پر مالیاتی انحصار (مثلاً انتظامی اور ترقیاتی اخراجات کے لیے مالی امداد)۔

مسئلہ نمبر 2 اور 3 کے ڈبلیو ایس بی کے انتظامی اور مالی مشکلات سے متعلق ہیں جو حقیقی طور پر مسئلہ نمبر ایک سے وابستہ ہیں۔

حل:

1- بڑی مقدار میں پانی کی تقسیم کا نظام ایک اہم اثاثہ ہے اور اسے ایسا ہی سمجھنا اور تسلیم کرنا بھی چاہیے۔ پانی کے ضیاع کو جنگی بنیادوں پر روکنے کی ضرورت ہے۔

- کے ڈبلیو ایس بی کو بڑی مقدار میں پانی کی تقسیم کو بند کرنے کی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے اور بڑی مقدار میں پانی کی تقسیم کو بلا روک ٹوک جاری و ساری رکھنے کے لیے ناظمین کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا ایک بڑے انتظام کی ضرورت ہے جو قابلِ برداشت اور

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ فرمائیں)

پانی کی سپلائی کے لیے کے ڈبلیو ایس بی کا ٹاؤن وار کوٹہ اور حقیقت میں موصول ہونے والی مقدار

Sr. No.	Town	Quota (mgd)*	Actual Received (mgd)!	Actual Received % quota
1.	Lyari	14	12	85
2.	Saddar	32	30	93
3.	Kaemari	10	8	80
4.	Jamshed	30	14	46
5.	Gulshan	35	20	57
6.	Shah Faisal	12	9	75
7.	Malir	20	12	60
8.	Landhi	16	20	125
9.	Korangi	24	21	87
10.	Bin Qasim	14	14	100
11.	Gulberg	22	17	77
12.	North Nazimabad	20	14	70
13.	Liaquat abad	18	18	100
14.	North Karachi	35	20	57
15.	Orangi	40	12	30
16.	Baldia	20	8	40
17.	Site	18	10	55
18.	Gadap	8	3	37
19.	Cantonment	22	22	100
20.	DHA	6	9	133
	Total	416	293	

* Karachi Master Plan 2020 document. (Includes the quota for industries.)

Information acquired thru interviews with the KWSB Chief Engineers, Superintending Engineers and the Executive Engineers. Information has also been cross checked with the data on the full flow possible in the supply mains w.r.t the diameter of pipes.

- Calculations for the full flow (supply in mgd) in pipes for the respective diameter shows:

Pipe diameter	flows (mgd)
66"	54
54"	36
48"	28
36"	16
33"	15
24"	7

صحافیوں کو سرگرم شریکِ کار بنایا جائے

سی آر سی رپورٹنگ اور معلومات کو پھیلانے کے لیے میڈیا کو ایک متحرک شریکِ کار کی حیثیت سے متوجہ کیا جائے

شہریوں کی آواز

شہری رپورٹ

پانوس نے 'کراچی میں شعبۂ پانی اور حفظانِ صحت کا سرسری خاکہ' کے عنوان سے ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا جس میں سول سوسائٹی کی تنظیموں، کے ڈبلیو ایس بی انتظامیہ، پانی کے ماہرین اور صارفین کے حقوق کی تنظیموں سمیت اہم اسٹیک ہولڈروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ایک مقامی میڈیا مشاورتی فرم پانوس پاکستان کو پانی اور حفظانِ صحت پروگرام۔جنوبی ایشیا (ڈبلیو ایس پی۔ ایس اے) کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے مواصلاتی حکمتِ عملی کے ایک پروگرام کو تیار اور نافذ کرنا تھا جو کراچی میں کے ڈبلیو ایس بی کی پانی اور حفظانِ صحت کی خدمات کے شہریوں کے رپورٹ کارڈ کی تائید کرے۔ چنانچہ اس نے رابطے اور رسائی پیدا کرنے کے لیے ایک منصوبے پر عمل کیا جو مختلف سرگرمیوں کا مجموعہ تھا تاکہ سی آر سی سروے کی تکمیل ہوسکے اور اسے مشتہر کیا جاسکے میڈیا سی آر سی کے بارے میں معلومات کو پریس کانفرنسوں اور پریس ریلیزوں کے ذریعے ایک غیر متحرک انداز میں قبول کرے اس خیال کو رد کرتے ہوئے یہ سوچا گیا کہ سی آر سی رپورٹنگ اور معلومات کو پھیلانے کے لیے میڈیا کو ایک متحرک شریکِ کار کی حیثیت سے متوجہ کیا جائے۔

ان سرگرمیوں میں میڈیا ایڈیٹروں کے ساتھ ایک تعارفی میٹنگ بھی شامل تھی تاکہ ایک منصوبے کے تحت میڈیا سرگرمیوں کی بنیاد ڈالی جاسکے اور سی آر سی سروے اور میڈیا کو دوبدو لایا جاسکے۔ ان میٹنگوں کے دوران سی آر سی کو متعارف کرانے کے لیے پانوس نے ایڈیٹروں سے کے ڈبلیو ایس بی، لوکل گورنمنٹ اور شہری مسائل پر لکھنے والے رپورٹروں اور صحافیوں کی نشاندہی کرنے کی درخواست کی گئی۔ میڈیا سرگرمیوں کا مرکز شہر میں پانی، حفظانِ صحت کے مسائل پر لکھنے والے رپورٹروں کا کام تھا۔

بعد میں آنے والی سرگرمیوں میں بنگلور جانے والا ایک مطالعاتی مشن بھی شامل تھا جس کے لیے سی آر سی میں دلچسپی کا مظاہرہ کرنے والے رپورٹروں کی ٹیم کو منتخب کیا گیا (ان کی دلچسپی تعارفی میٹنگوں کے دوران قائم ہوئی تھی) تاکہ وہ سی آر سی کی جنم بھومی جائیں اور دیکھیں کہ بنگلور میں میڈیا شہری مسائل کی رپورٹنگ کس طرح کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سرگرمیوں کا ایک تسلسل شروع ہوگیا۔ مثلاً کراچی کے انگریزی اور اردو پرنٹ میڈیا کے پانچ صحافیوں کو فیلوشپ دی گئی تاکہ وہ سروے کیے گئے اور ایف جی ڈیز میں نمایاں کیے جانے والے پانی اور حفظانِ صحت کے مختلف مسائل پر تحقیق کریں اور 10 تفتیشی رپورٹیں لکھیں پانوس نے ان صحافیوں کی رپورٹوں کو بہتر بنانے کے لیے ان سے قریبی رابطہ رکھا اور انہیں ضروری معلومات اور رہنمائی فراہم کی۔ یہ کہانیاں سروے کے ایک ماہ بعد نمودار ہونا شروع ہوئیں جس سے سروے کے ماحاصل کی روشنی میں کام کرنے کا موقع ملا۔

کراچی کے پانی اور حفظانِ صحت کے مسائل کے ترقیاتی سیاق و سباق کو سمجھنے میں میڈیا کی مدد کرنے کے لیے پانوس نے 'کراچی میں شعبۂ پانی اور حفظانِ صحت کا سرسری خاکہ' کے عنوان سے ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا جس میں سول سوسائٹی کی تنظیموں، کے ڈبلیو ایس بی انتظامیہ، پانی کے ماہرین اور صارفین کے حقوق کی تنظیموں سمیت اہم اسٹیک ہولڈروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

باہمی عمل تھیٹر پرفارمنس کے ایک سلسلے کے ذریعے سی آر سی سروے کی تحریری دستاویز اور اشاعت کی پیش بینی کی گئی۔ یہ سرگرمیاں ان 9 میں سے 8 ٹاؤنز میں کی گئیں جہاں یہ سروے کیا گیا تھا۔ ایک دستاویزی فلم بعنوان 'پانی کی حکمتِ عملی، پانی اور حفظانِ صحت پر شہریوں کی آوازوں کی شنوائی' بھی تیار کی گئی جس میں سی آر سی کے طریقۂ کار کو تحریری شہادت میں لایا گیا اور جسے اس نئی کوشش کو مشتہر کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا جو پاکستان کے لیے قومی، علاقائی اور عالمی لحاظ سے اوّلین کوشش ہے۔

پانی اور حفظانِ صحت کے مسائل کی عمومی اور سی آر سی کی ایک خصوصی رپورٹنگ میں میڈیا کی مزید مدد کرنے کے لیے ایک ٹول کٹ بھی تیار کیا گیا جو کراچی میں سروے کے نتائج عام کیے جانے والے دن معلومات کو مشتہر کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ جس کا عنوان 'پانی کی حکمت و دانش کا استعمال۔ صحافیوں کے لیے ایک رہنما برائے کراچی میں پانی اور حفظانِ صحت کی خدمات پر شہریوں کے رپورٹ کارڈ' تھا۔ ٹول کٹ میں سی آر سی کے پس منظر پر معلومات کے علاوہ صحافیوں کی اپنی کوریج میں معاون دیگر مفید دستاویزات کے علاوہ حتمی رپورٹ کا ایک خلاصہ اور دستاویزی شہادتوں کی ایک نقل بھی شامل تھیں۔

سروے کے نتائج کو جاری کرنے کے بعد پانوس نے میڈیا کے ساتھ ایک اجلاس کا اہتمام کیا تاکہ نتائج کا تجزیہ کیا جاسکے اور مزید تحقیق اور رپورٹنگ کے لیے اعداد و شمار میں موجود ممکنہ راہوں کی شناخت ہوسکے۔

ان سرگرمیوں کے باعث کراچی کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں سی آر سی کو بے مثال کوریج ملی۔ اس کے علاوہ ان سرگرمیوں کے ذریعے سی آر سی رپورٹروں کی ایک اعلیٰ جماعت تخلیق کی گئی۔ پانی اور حفظانِ صحت پر میڈیا کے ساتھ مسلسل مصروف رہنے کے لیے ایک بہترین بنیاد فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ سی آر سی کو ایک منظم نظام کا حصہ بنانے کے مطالبے کو زندہ، متحرک اور پھلتا پھولتا رکھنے کے لیے ایک پریشر گروپ بھی تشکیل دیا گیا۔

❀❀❀

رہائشی پلاٹ پر تجارتی ہسپتال کا قیام

شہر کے باسیوں کو اپنے گردوپیش منفی طور پر متاثر کرنے والے مسائل پر خدشات و تحفظات لاحق ہیں تو 'شہری' کو اطلاع دیں۔ برائے مہربانی ہمیں اس بارے میں لکھیں۔ تصویر ساتھ میں ضرور بھیجیں تاکہ کوشش بہتر ہو اور مسئلے کا حل نکالا جائے۔ (ایڈیٹر)

گردوپیش پر نگاہ

شہری رپورٹ

ہم بلاک 17، فیڈرل بی ایریا، کراچی کے رہائش کنندگان تعمیراتی قوانین کی کھلی خلاف ورزی کو متعلقہ حکام کی توجہ میں لانے کے خواہشمند ہیں۔ ہمارے علاقے میں ایم/ایس مام جی ہسپتال کے مالکان/انتظامیہ نے رہائشی پلاٹوں کی تجارتی پلاٹوں میں غیر قانونی تبدیلی کرائی ہے۔ جس کے باعث ہمیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

مذکورہ بالا ایم/ایس مام جی ہسپتال پلاٹ نمبر سی۔19، بلاک 17، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ ہسپتال پہلے ہی تہہ خانہ، گراؤنڈ + پانچ بالائی منزلوں پر مشتمل تھا۔ ہسپتال کے احاطے میں کار پارکنگ کی جگہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اب اس ہسپتال کی تمام گاڑیاں چوبیس گھنٹے مین سپر ہائی وے پر دیوار کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں۔ چنانچہ مین سپر ہائی وے پر ٹریفک کے بہاؤ میں رکاوٹ اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی شک وشبہات پائے جاتے ہیں کہ کیا واقعی موجودہ مام جی ہسپتال کا تعمیراتی نقشہ موجودہ تعمیراتی حیثیت میں منظور شدہ ہے؟ اس پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ متصل پلاٹ نمبر C-18 بھی فزیوتھراپی کلینک میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔ ایم ایس مام جی ہسپتال کی انتظامیہ نے قانونی طور پر پلاٹ نمبر C-19 کے ساتھ اس کا الحاق کر لیا ہے۔

ایم/ایس مام جی ہسپتال کی انتظامیہ کی غیر قانونی خلاف ورزیوں کا اختتام یہاں نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے حال ہی میں ایک اور رہائشی پلاٹ نمبر B-24 خریدا ہے جو ہسپتال کے عین عقب میں واقع ہے اور واضح طور پر اس کا دروازہ رہائشی گلی میں کھلتا ہے۔ اب مذکورہ ہسپتال کی انتظامیہ اس پلاٹ کو بھی راتوں رات ہسپتال میں ضم کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ پلاٹ نمبر C-19 اور B-24 کو تقسیم کرنے والی دیوار کو پہلے ہی منہدم کیا جا چکا ہے تاکہ دونوں پلاٹوں کا ادغام ہو سکے اور مام جی ہسپتال کو ایک واحد احاطے میں تبدیل کیا جا سکے۔

معتبر ذرائع سے یہ بات بھی ہمارے علم میں آئی ہے کہ ہسپتال کی انتظامیہ برابر کے مزید رہائشی پلاٹوں کو خریدنے کے لیے بات چیت میں مصروف ہے۔ وہ انہیں بھی غیر قانونی طور پر تجارتی کلینکس وغیرہ میں تبدیل کر دے گی اور پھر آخر میں انہیں بھی آپس میں ضم کر کے ایک واحد احاطے میں تبدیل کر دے گی۔ مام جی ہسپتال کی انتظامیہ ایک اور پلاٹ B-21 بھی خرید چکی ہے اور پلاٹ نمبر B-23 کے ساتھ فروخت کا معاہدہ طے پا چکا ہے۔ انہوں نے پلاٹ نمبر B-22 اور B-25 کو بھی خریدنے کی پیشکش کی ہے۔

اس سے واضح شہادت ملتی ہے کہ ہسپتال کی انتظامیہ غیر قانونی ذرائع استعمال کر کے ایک بہت بڑے رہائشی علاقے کو ایک وسیع میڈیکل کمپلیکس میں تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ یہ کے بی سی اے/تعمیراتی قواعد وضوابط اور سی ڈی جی کے کی پالیسیوں، تحفظِ ماحولیاتی آزادی اور دیگر متعلقہ سرکاری شعبوں کی کھلی خلاف ورزی ہے اور وہ قریب رہنے والوں کی زندگی مکمل طور پر اجیرن بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اگر مام جی ہسپتال کی انتظامیہ اپنے مندرجہ بالا غیر قانونی مقاصد میں کامیاب ہوگئی تو پوری قریبی آبادی حقیقی طور پر عذاب میں مبتلا ہوگی اور لوگوں کے معمولاتِ زندگی متاثر ہوں گے۔ کثیر آبادی والے رہائشی علاقے کے بہت قریب ایک ہسپتال کا قیام ماحول اور رہائشیوں خصوصاً بچوں کے لیے ایک حقیقی خطرہ ہے۔

بیان کردہ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ درخواست کی جاتی ہے کہ ایم/ایس مام جی ہسپتال کی انتظامیہ کی جانب سے غیر قانونی اور بلا اجازت رہائشی پلاٹوں کے تجارتی پلاٹوں میں تبدیلی کو روکنے کے لیے فوری اور ضروری اقدامات اٹھائے جائیں۔

انٹرپریس کمیونیکیشن (آئی پی سی) نے حال ہی میں 'خواتین کے روزگار کی تائید' کے لیے ایک پریس کٹ تیار کیا ہے۔ ذیل میں اس تحقیقی دستاویز کے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

کارکن خواتین کے مسائل

جائے کار پر عورتوں کی روزافزوں بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث جنسی ہراس کو وقت کے ساتھ کم ہونا چاہیے

خواتین کے روزگار کی تائید

شہری رپورٹ

خواتین کو ہراساں کرنا دراصل اپنی طاقت کا مظاہرہ ہے۔ بالادستی، ڈرانا دھمکانا اور ایذارسانی دراصل کام سے متعلق صنفی امتیاز کی مختلف اقسام کے علاوہ خود پسندی، انسانی وقار اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ایک صورت ہے جس کا سامنا عورتوں کو جائے کار پر کرنا پڑتا ہے۔ جنسی ایذارسانی بے سبب افعال کا مجموعہ ہے جس میں غیر شائستہ زبانی جملے کسنے سے لے کر جسمانی رابطے اور آبروریزی شامل ہیں۔

جائے کار پر جنسی ایذارسانی متاثرہ عورتوں کو ہر شعبے میں ان کے پیشے اور عہدے کو نقصان پہنچاتی ہے۔ بدترین جنسی ایذارسانی کے واقعات (جبری جنسی تعلقات اور آبروریزی) ان شعبوں میں بکثرت ہیں جہاں کارکن خواتین غربت اور قرض کے باعث مجبور اور غیر محفوظ ہیں۔ بھٹہ ساز، کاشتکار اور گھریلو ملازماؤں کی مثالیں سامنے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق مختلف شعبوں۔ ہسپتالوں۔ بینک۔ دفاتر۔ فیکٹریوں۔ بھٹہ سازی۔ گھریلو ملازؤں میں 78 فیصد خواتین کو کسی نہ کسی شکل میں جنسی ہراس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گھر پر کام کرنے والی خواتین کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے محفوظ رہتی ہیں جو درست نہیں ہے۔ ایک سروے کے مطابق گھر پر کام کرنے والی 25 فیصد خواتین کو (نفسیاتی۔ زبانی۔ جنسی اور جسمانی طور پر) خریداروں، (44 فیصد) خاندان کے ارکان (42 فیصد) دلالوں (15 فیصد) سے ایذارسانی کا سامنا ہوتا ہے۔

جائے کار پر بڑھتی ہوئی ایذارسانی

شہری تعلیم یافتہ خواتین کی پیداواریت کے لیے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ آج تک جائے کار پر ایذارسانی کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 294-350 اور 509 ہراس سے متعلق ہیں لیکن وہ جائے کار پر ہونے والی ایذارسانی پر مرتکز نہیں ہیں۔ 2002ء میں آٹھ غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) نے جائے کار پر جنسی ایذارسانی کے خلاف ایک اتحاد (AASHA) بنایا تھا اور متعلقہ افراد کے ساتھ مشاورت اور آئی ایل او کی تکنیکی امداد سے جنسی ایذارسانی کے خلاف ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا۔

جائے کار پر عورتوں کی روزافزوں بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث جنسی ہراس کو وقت کے ساتھ کم ہو جانا چاہیے۔ ادارے کے آجر اور منیجروں کو خواتین کارکنوں کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ماحول کو بہتر بنانا پڑے گا۔ انہیں صنفی بنیاد پر قائم سماجی ثقافتی حالات کے مطابق ماحولِ کار تخلیق کرنا ہوگا۔

آمدورفت

شہری خواتین کے لیے ہر صبح دفتر جانا بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مقامی کوچز اور منی بسوں میں ان کے لیے بیٹھنے کی مخصوص جگہ کو محدود کر دیا گیا ہے۔ کارکن عورتوں کی آمدورفت کے لیے ٹرانسپورٹ کی صورتِ حال کو بہتر بنانا ضروری ہے تاکہ وہ باآسانی کام پر جا سکیں۔ یہ آجر کی ذمہ داری ہو سکتی ہے یا پھر کرایوں میں رعایت

خواتین کا اقتصادی اختیار

روایتی طور پر ہمارے ملک میں اچھی عورتیں وہ ہیں جو چاردیواری میں رہتی ہیں اور گھر اور خاندان کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ لیکن اب تصور تبدیل ہو چکا ہے۔ 21 ویں صدی میں اچھی عورت وہ ہے جو کام کرتی ہے۔ افراط زر اور بڑھتا ہوا معیار زندگی متقاضی ہے کہ خواتین ملک کی معیشت میں حصہ بٹائیں۔

ملک کی اقتصادی ترقی میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے کیونکہ خاندانی اقدار کا انحصار بھی اس پر ہے کہ لوگ کس قسم کے ماحول میں رہتے ہیں۔ یہ امر بھی بہت اہم ہے کہ خاندان کے مرد اور عورتیں باہمی تعاون سے کام کریں اور معاشی طور پر ایک دوسرے کی مدد کریں۔

خواتین کے اختیار کے ضمن میں عالمی معیشت فورم کی جانب سے 58 ممالک کا سروے کیا گیا جس میں پاکستان بدترین کارکردگی کے اشاریئے میں دوسرے نمبر پر تھا جو تعجب کا باعث نہیں ہے۔ فورم کے نزدیک خواتین کا اختیار اور معاشی ترقی کی شرح میں براہ راست رشتہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواتین کو مساوی معاشی مواقع سے محروم رکھ کر انہیں ان کے بنیادی حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ تمام شہریوں کو معاشی دھارے میں شامل ہونے کی اجازت ہو اور انہیں تمام سہولتیں میسر ہوں۔

نیز خواتین کی شمولیت صرف صنفی امتیاز کا مسئلہ نہیں ہے۔ جدید مسابقتی دنیا میں یہ ایسا امر ہے جو ایک ملک کی ترقی سے مربوط ہے۔ اگر کسی ملک کی آدھی آبادی کو کام کرنے سے روکا جائے تو وہ کچھ حاصل کرنا ممکن نہیں جو وہ ترقیاتی کوششوں میں اپنے مکمل انسانی سرمائے کے موثر استعمال کی قوت پر حاصل کر سکتا ہے۔

کارکن طبقے کی عورتیں سب سے زیادہ نظر انداز اور غیر محفوظ ہیں۔ آئی۔ ایل۔ او کنونشن کا احترام نہیں کیا گیا۔ ایسے مختلف غیر رسمی شعبے ہیں جہاں عورتوں کو یومیہ اجرت پر رکھا جاتا ہے۔ ان غیر رسمی شعبوں میں عورتوں اور مردوں کی تنخواہوں میں انتہائی امتیاز پایا جاتا ہے۔ سوشل سکیورٹی نظام عورتوں کے حق میں نہیں ہے۔ جبکہ عورتوں کی تولیدی بار آوری کی ذمہ داری تبدیل نہیں ہوئی ہے۔

میڈیا

اطلاعات اور مواصلات کی ٹیکنالوجی (ICT) میں انقلاب کے باعث گذشتہ دس برسوں میں کئی نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ جن میں معلومات میں شراکت، تجزیے کرنے اور معاشرتی تبدیلی کے لیے میڈیا کا استعمال شامل ہے۔ اب اطلاع وسیع تر سامعین اور ناظرین تک پہنچتی ہے۔ سیٹلائٹ ٹی وی چینلز نے دنیا بھر کے طول وعرض میں اپنے ناظرین بنائے ہیں۔ اخبارات کا منتخب مواد اخبارات کے مختلف ایڈیشنوں میں اور ویب سائٹ پر شائع کیا جاتا ہے۔ ان تمام ترقیوں کے باوجود بنیاد پرستی اور قدامت پسندی کی بازگشت نے خواتین کی گنجائش کو محدود کیا ہے۔ نیز آج کے کارپوریٹ نظام میں میڈیا منافع بخش مارکیٹنگ اور رجحان اصراف کے فروغ کی طرف مائل ہے۔ خواتین کو عموماً اشیاء کی خریدار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

میڈیا عورتوں کی زندگی میں بہتری کے لیے موثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے میڈیا میں عورتوں کے مسائل کو سرسری طور پر پیش کیا جاتا ہے مثلاً ٹی وی پر عورتوں کا گھنٹہ یا اخبارات میں ہفتہ وار عورتوں کا ایک صفحہ مخصوص ہے۔ عموماً عام عورتوں کے مسائل کو خبر کے قابل نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہو جائے۔ میڈیا میں موجودہ گنجائش کو عورتوں کو درپیش مسائل اٹھانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال عورتیں میڈیا میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ تر دکھائی دیتی ہیں اور ان کے مسائل کے بارے میں ادراک پیدا ہوا ہے۔ اس کا سبب مختلف موضوعات پر ڈرامے۔ ٹاک شوز۔ دستاویزی فلمیں۔ رپورٹیں اور فیچر کہانیاں ہیں۔

گذشتہ برسوں کے دوران معاشرے میں بڑی حد تک تبدیلی آئی ہے۔ عورتوں نے بہت سے شعبوں میں اپنی حیثیت منوائی ہے اور روایتی رویئے بتدریج ختم ہو رہے ہیں۔ تاہم میڈیا کو عورتوں کے مثبت تصور کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا جو آج سیاسی۔ سماجی۔ قانونی اور معاشی طور پر بااختیار افراد کی حیثیت سے ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ میڈیا کو حقائق کی عکاسی کے لیے اور مثبت اور غیر جانبدار رہنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر معیار زندگی کے لیے خاندان کی آمدنی بڑھانے میں کارکن عورتوں کے بارے میں منفی رویوں میں مثبت تبدیلی لائی جا سکے۔

دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ موثر ماس ٹرانزٹ سسٹم ملک کے بڑے میٹروپولیٹن شہروں کے لیے ناگزیر ہے۔ کراچی میں خواتین بس سروس غلط منصوبہ بندی کے باعث ناکام رہی ہے۔ صنعتوں کی انتظامیہ کو کارکن عورتوں کو ٹرانسپورٹ کی سہولت فراہم کرنے کی ذمہ داری اٹھانی چاہیے۔

سہولتوں کا فقدان

غیررسمی شعبے میں عورتوں کو اس وقت دشواری کا سامنا ہوتا ہے جب آجر عورتوں کی خاندانی اور گھریلو ذمہ داریوں کا احساس نہیں کرتے۔ مثلاً وہ بچوں کی دیکھ بھال کی سہولت، زچگی کی تعطیلات اور دودھ پلانے کے لیے وقفہ فراہم نہیں کرتے۔

مغربی پاکستان میٹرنٹی بینیفٹ آرڈی نینس 1958ء اور صوبائی ایمپلائز سوشل آرڈی نینس 1965ء کے تحت کسی فیکٹری یا صنعتی اور تجارتی ادارے میں کام کرنے والی ہر عورت کو حمل اور زچگی کے دوران تین ماہ کی چھٹیوں کا حق حاصل ہے۔ (1958ء آرڈی نینس کے تحت) ایک عورت مذکورہ آرڈی نینس کے فوائد حاصل کرنے کی حقدار اسی صورت میں ہوگی جب بچے کی پیدائش کے دن سے کم سے کم چار ماہ قبل تک وہ کام کرتی رہی ہو۔ بڑی تعداد میں سرکاری ادارے اور فیکٹریاں اس کی اعلانیہ خلاف ورزی کرتی ہیں۔ مزدور حقوق میں رکاوٹ، مجموعی طور پر ایک کمزور اور ناموافق ماحول میں کم اجرت، کم مہارت، یونین کی اعانت کے بغیر پیس ریٹ اور کنٹریکٹ پر کام کرنے والی کارکن عورتوں کی ایک بڑی تعداد جائے کار پر انتہائی پست اور بے اختیار نظر آتی ہے۔

فیکٹریوں اور سرکاری اداروں میں شادی شدہ یا بارآوری کی عمر کی عورتوں کو ملازمت کے لیے مسترد کرنے کا رویہ عام ہے۔ بلکہ نوجوان غیرشادی شدہ خواتین کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ قاعدہ قانون سے گریز کیا جاسکے۔

آئی ایل او میٹرنٹی پروٹیکشن کنونشن 2000ء (نمبر 183)۔ نقد فوائد، صحت کے حفاظتی اقدامات اور حمل کی بنیاد پر امتیاز سے تحفظ کے لیے قانونی حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پاکستان نے اس کنونشن پر دستخط نہیں کیے۔ ڈرافٹ لیبر پالیسی 2005ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت فیکٹریز ایکٹ 1934ء سے میٹرنٹی فوائد کو ختم کرنے پر غور کر رہی ہے۔ مسودے میں کہا گیا ہے کہ ''حکومت کا یہ خیال ہے کہ چھٹیوں کے دوران کی اجرت کی ادائیگی کی ذمہ داری سوشل سیکیورٹی نظام کی ہونی چاہیے۔ یہ کسی انفرادی آجر کی ذمہ داری نہیں ہے''۔

کارکن عورتوں کو اپنے شیرخوار بچوں کو چھ ماہ تک اپنا دودھ پلانے کا حق خصوصی طور پر موجودہ لیبر قوانین میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ فیکٹریز ایکٹ 1934ء میں قانون نے صوبائی حکومتوں کو ''بچوں کے کمروں'' کے لیے قوانین

بنانے کا اختیار دیا ہے۔ یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ جہاں 50 سے زیادہ کارکن عورتیں ملازم ہوں وہاں ان کے چھ برس سے کم عمر بچوں کے استعمال کے لیے ایک کمرہ مہیا کیا جائے''۔ اوّل یہ کہ 50 عورتوں کی حد سے چھوٹے یونٹ اس میں شامل نہیں ہیں۔ دوم، صوبائی حکومتوں نے اوقاتِ کار کے دوران شیرخوار بچوں کی نگہداشت کی سہولت مہیا کرنے کے لیے قواعد وضوابط یا قوانین نہیں بنائے۔

فیکٹریز ایکٹ 1934ء نے خواتین کے لیے علیحدہ بیت الخلا کی سہولت کی شرط عائد کی تھی۔ لیکن بہت سی فیکٹریاں قانون کی خلاف ورزی کرتی ہیں اور ان کے یہاں علیحدہ بیت الخلا کی سہولت موجود نہیں ہے۔ اس بنیادی سہولت کی غیرموجودگی سے عورتوں کی صحت پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں کارکن عورتیں مشترکہ بیت الخلا کی سہولت کو استعمال کرنے سے قطعی طور پر گریز کرتی ہیں اور پیٹ۔ گردے اور پیشاب سے متعلق کئی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ کراچی میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق 72 فیصد کارکنوں نے علیحدہ بیت الخلا کی غیرموجودگی کی اطلاع دی ہے۔

آئین کے آرٹیکل 25(3) کے تحت خصوصی قانون بنانے کے لیے متعین آئینی سہولت موجود ہونے کے باوجود مغربی پاکستان میٹرنٹی بینی فٹس آرڈی نینس 1958ء (اور مغربی پاکستان میٹرنٹی بینی فٹس رولز، 1961ء) کے علاوہ جائے کار پر خواتین کے حقوق کا تحفظ سہولتیں فراہم کرنے والے قوانین موجود نہیں ہیں۔ مثلاً:

- خواتین کے لیے مساوی کام کا مساوی معاوضہ۔
- جائے کار پر ایذارسانی سے خواتین کا تحفظ۔
- گھریلو کارکنوں کے مزدور حقوق کا تحفظ۔
- گھر پر کام کرنے والے کارکنوں کے مزدور حقوق کا تحفظ۔

❀❀❀

میڈیا کو عورتوں کے مثبت تصور کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا جو آج سیاسی، سماجی، قانونی اور معاشی طور پر بااختیار افراد کی حیثیت سے ظاہر ہونا شروع ہوگئی ہیں، حقائق کی عکاسی کے لیے اور مثبت اور غیرجانبدار رہنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر معیارِ زندگی کے لیے خاندان کی آمدنی بڑھانے میں کارکن عورتوں کے بارے میں منفی رویوں میں مثبت تبدیلی لائی جاسکے۔

بقیہ: ساحلی ترقی

کے ان حسین نظاروں تک رسائی نہیں رہے گی۔ یہ ان تفریحی مقامات پر یومیہ اجرت پر کام کرنے والے سینکڑوں افراد کو ان کی روزی سے بھی محروم کرنے کا باعث ہوگا۔ اس علاقے میں بہت سی ہٹس تعمیر ہیں جنہیں منہدم کردیا جائے گا۔ یہ ہٹس کچھ افراد اور نجی کمپنیوں کی ملکیت ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے مقامی افراد کو ملازم رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ ہٹیں یہاں سے ہٹا دی گئیں اور لوگوں نے ان پکنک مقامات پر آنا بند کردیا تو پھر سینکڑوں مقامی دیہاتی اپنے روزگار کے ذرائع سے محروم ہوجائیں گے۔

مقامی کمیونٹیوں کو اصل خدشات لاحق ہیں کہ جدید شہر کی تعمیر کی راہ ہموار کرنے کے لیے انہیں ان کے آبائی گھروں سے نکال باہر کیا جائے گا۔ اربن ریسورس سینٹر کراچی کی ایک رپورٹ کے مطابق 1962ء سے حکومت کے مختلف اداروں نے 23,575 مکانات منہدم کیے ہیں (ان میں وہ مکانات اور دکانیں شامل نہیں ہیں جو لیاری ایکسپریس وے منصوبے کے لیے منہدم کیے گئے ہیں) اس انخلاء کے نتیجے میں 185,801 افراد بے گھر ہوئے۔ جنوری تا مئی 2006ء کے عرصے میں حکومت نے شہر کے مختلف حصوں میں 3,490 مکانات منہدم کیے اس انخلا کے نتیجے میں 23,124 افراد کو بے گھر بنا دیا گیا۔ لیاری ایکسپریس وے کے بڑے وسیع منصوبے پر حال ہی میں عملدرآمد ہوا ہے جس کے نتیجے میں 25,000 لوگ بے گھر ہوئے۔ ان میں سے بیشتر افراد مختلف وجوہات (مثلاً معاوضہ نہ ملنے، دوبارہ آبادکاری، روزگار چھوٹ جانے اور سماجی رشتوں کے ٹوٹنے) کے باعث پریشان ہیں۔

سرکاری دستاویز کے مطابق منصوبے کے لیے 40,000 ایکڑ زمین کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ حکومت کے پاس صرف 19043.53 ایکڑ زمین دستیاب ہے اور وہ بھی ملحق نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف حصوں میں 21,000 ایکڑ زمین کا انتظام کیا جائے گا اس کا نتیجہ غریب کمیونٹیوں کی غیر رضاکارانہ بے دخلی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ منصوبے کی دستاویز میں اس طرف اشارہ شہد میں ڈوبی ہوئی زبان میں ملتا ہے۔ 'مجوزہ ترقیاتی علاقے میں زمین کے مختلف قطعات ہیں جو کسی بھی حکومت یا ادارے کی ملکیت نہیں ہیں اور منتخب ڈیویلپر سے حکومت، سرکاری اداروں اور زمین کے اصل مالکان سے زمین کے حصول کے لیے کام کرنے یا زمین کے ان قطعات کے لیے ایک پائیدار باہمی سودمند اور باہمی مفاہمتی حل تلاش کرنے کی توقع کی جاتی ہے'۔

مقامی کمیونٹیوں کے ساتھ کسی قسم کے اشتراک/مشاورت کی غیر موجودگی میں یہ خوف اور اندیشے مزید شدید ہوجاتے ہیں۔ ملک میں اب یہ تقریباً ایک قاعدہ اور معیار بن چکا ہے کہ تمام بڑے منصوبوں کے بارے میں معلومات کو شہریوں اور امکانی متاثرین سے پوشیدہ اور خفیہ رکھا جائے۔ اس کیس میں بھی تمام منصوبہ بندی بند دروازوں کے پیچھے کی گئی ہے۔ سول سوسائٹی اور مقامی کمیونٹیوں سے مشاورت نہیں کی اور ہر چیز پردۂ راز میں پوشیدہ ہے چنانچہ مقامی کمیونٹیاں منصوبے اور اس کے امکانی اثرات سے اب تک بے خبر ہیں۔ ترقی کی جانب یہ رویہ ایسے اقدامات کے بارے میں شہریوں کے درمیان اصل اور سچے خدشات کو جنم دیتا ہے۔

بشکریہ: ڈیویلپمنٹ ٹو ڈسٹرائے نیچر اینڈ دس پلیس پیپلز (واٹر فرنٹ ڈیویلپمنٹ آن ہاکس بے) سے اقتباسات نصیر میمن اور زبیدہ بروانی، پاکستان ماہی گیر تحریک

شہری کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول۔

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم/فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

بقیہ: پانی کا مسئلہ

شائستہ نرخوں پر سب کو پانی فراہم کرنے کے قابل بنائے گا اور کے ڈبلیو ایس بی کو مالی طور پر خود مختار ادارہ بنائے گا۔

- بڑی مقدار میں پانی کی فراہمی کو ناپنا ضروری ہے جس سے پانی کے ضیاع اور چوری پر نظر رکھی جاسکے گی اور ٹاؤنز کو ان کے حصے کے ملنے کو یقینی بنایا جاسکے گا۔ ایک دفعہ پانی ٹاؤنز تک پہنچ جائے تو اس کی تقسیم کا انتظام ٹی ایم ایز اور یوسی سنبھال سکیں گے۔ اسے ٹاؤنز کے اندر واٹر ٹیکسوں کی وصولی سے بھی منسلک کیا جاسکتا ہے۔ پھر پانی کی چوری ضیاع اور تکنیکی رساؤ کے مسائل سے بھی ٹاؤن میں ہی نمٹا جاسکتا ہے۔ موجودہ کوٹے کے برخلاف موجودہ آبادی اور اس کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹاؤنز کے کوٹے پر بھی نظرِ ثانی ہوسکے گی۔

کے ڈبلیو ایس بی نے ہمیشہ بڑی مقدار میں پانی کی تقسیم کو میٹر کے ذریعے ناپنے کی کوششیں کی ہیں۔ گذشتہ برس بھی ایسی ہی کوششیں کی گئیں جواب تک جاری ہیں لیکن پھر ان پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔

- ٹینکروں کے ذریعے پانی کی سرکاری فراہمی کی ذمہ داری کے ڈبلیو ایس بی کو واپس ملنی چاہیے کیونکہ رینجرز کی جانب سے ہونے والی سپلائی کے نتیجے میں مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ کے ڈبلیو ایس بی اور منتخب ناظم کو لازماً ذمہ دار ٹھہرانا چاہیے تاکہ وہ اس سپلائی کے انتظام کے لیے جواب دہ ہوں۔ اگرچہ کہ اس کا حکم گذشتہ برس کے ڈبلیو ایس بی نے جاری کیا تھا لیکن اختیارات کی منتقلی میں ہمیشہ تاخیر ہوتی ہے۔

پانی کے ضیاع اور چوری کو روکنے کے لیے مرحلہ وار اقدامات کی ضرورت ہے۔ کے ڈبلیو ایس بی، سپلائرز اور شہریوں سے مزید بحث ومباحثہ کے بعد ان کو طے کیا جاسکتا ہے۔ ایک دفعہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ضیاع اور چوری ہوتی ہے تو مختلف فورم کے ذریعے ان کی شناخت ہوسکتی ہے پھر تفصیلی اقدامات کو اٹھانے کی ضرورت ہوگی۔

2- بجلی کی آزادانہ سپلائی کی ضرورت ہے کے ڈبلیو ایس بی بڑی مقدار کی سپلائی کے پی ایس پر پاور پلانٹس اور علاقے کے پی ایس پر جنریٹروں کی تنصیب کی منصوبہ بندی کررہی ہے جس سے بجلی کے بریک ڈاؤن کے مسائل حل ہوجائیں گے لیکن منصوبوں کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی۔ کے ڈبلیو ایس بی اگر پانی کی چوری اور ضیاع پر قابو پالے تو وہ اس اہم ضرورت پر سرمایہ کاری کرسکے گا۔

3- کے ڈبلیو ایس بی کے تنظیمی مسائل کا حل ترجیحی مسائل ایک اور دو کے ساتھ منسلک ہونے کے باوجود مندرجہ طریقے پر ممکن ہے۔

اے: پانی کے ضیاع اور چوری کے ترجیحی مسئلے کو قبول کرنا اور پھر اسے حل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس عمل میں آمدنی پیدا کرنا، اہل اور خود مختار بننا۔

ب: یہ طے کرنا کہ پانی کی سپلائی کی ذمہ داری پبلک سیکٹر کی ہونی لازمی ہے۔ پھر تنظیم کو پبلک سیکٹر کے ایک مضبوط اور پائندہ رہنے کی قابلیت کے ادارے میں تبدیل کرنے کا کام کرنا چاہیے۔

(بشکریہ: اورنگی پائلٹ پروجیکٹ)

❀❀❀

معاشرتی ذمہ داری

کارپوریٹ سماجی ذمہ داری کا حقیقی تناظر

شہری سی بی ای نے مشاورتی فرم سسٹین ایبل انیشیٹوز کے ساتھ مل کر سول سوسائٹی کے گروپوں کے لیے ایک تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا جس کا موضوع 'او ای سی ڈی رہنما خطوط کے پس منظر میں کارپوریٹ سماجی ذمہ داری برائے ملٹی انٹرپرائز' تھا۔

ورکشاپ کے شرکاء میں سول سوسائٹی کے گروپ، این جی اوز، متعلقہ ماہرینِ علم اور چند منتخب میڈیا گروپ اور ماہرین شامل تھے۔

صبح کے اجلاس کی تقاریر میں کارپوریٹ سماجی ذمہ داری (سی ایس آر) کو موضوعِ بحث بنایا گیا جبکہ سہ پہر کے اجلاس میں خصوصی طور پر او ای سی ڈی رہنما خطوط پر بحث ہوئی۔

خدیجہ بلخی ایک سسٹین ایبلٹی مشیر ہیں۔ انہوں نے کارپوریٹ سماجی ذمہ داری (سی ایس آر) کا پس منظر پیش کیا اور پائیداری اور تائید حاصل کرنے کے لیے پائیدار رابطے اور پارٹنرشپ تخلیق کرنے والے ذرائع کا خاکہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ پائیداری کو حالیہ اور مستقبل کی ضرورتوں، آبادیوں کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی نظام کے سیاق و سباق کے اندر رہتے ہوئے مواقعوں، ماحولیاتی سماجی اور معاشی تقاضوں اور نفاذ کے نتائج کے توازن کی ضرورت ہوتی ہے۔

انہوں نے سی ایس آر میں تین اہم نکات (عوام، سیارہ، منافع) کے تصور کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ سی ایس آر ایک کمپنی کی سرگرمیوں اور طریقِ عمل کے معاشی، سماجی اور ماحولیاتی اثرات کو مدِنظر رکھتا ہے۔ انہوں نے سماجی اور مالیاتی اہم نقطوں کی تشریح دو متوازی خطوط کی حیثیت سے کی۔ پھر انہوں نے کارپوریٹ سیکٹر اور غیر منافع بخش تنظیموں میں منافع بخش شراکت داری کی تخلیق کی اہمیت کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر کارپوریٹ اور غیر منافع بخش ادارے ایک دوسرے کو صرف مالیاتی شریک بنانا چاہتے ہیں تو دونوں فریق طویل المدت میں نقصان اٹھائیں گے اور پارٹنرشپ کی مکمل اور امکانی قابلیت وصلاحیت کا استعمال نہیں ہو سکے گا۔

خدیجہ نے رابطے اور پارٹنرشپ کے تصور کی وضاحت کے لیے کاروباری حالات کی نشوونما کا خاکہ پیش کیا جو تین بڑے شعبوں حاکمیت اور انتظام، ماحولیاتی مرکزِ نگاہ اور سماجی، معاشی ترقی پر مشتمل ہے۔

سمیرا احمد، ماحول، صحت اور سلامتی پر تربیت فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے پاکستان میں ماحولیاتی قانون سازی کا ایک جائزہ پیش کیا 'ماحولیاتی قوانین کے نفاذ اور عملدرآمد میں کمزوریاں موجود ہیں۔ آئین کا آرٹیکل 9 زندگی کے حق کی تعریف بنیادی حق کی حیثیت سے کرتا ہے اور سپریم کورٹ آف پاکستان نے واپڈا کے خلاف ایک مقدمہ (1994) میں اپنے فیصلے میں یہ کہا ہے کہ ایک صاف ماحول کا حق، زندگی کے بنیادی آئینی حق کا حصہ ہے۔

انہوں نے وضاحت کی کہ پی ای پی اے (پاکستان تحفظِ ماحولیات ایکٹ) 1997ء۔ حکومت کو قواعد وضوابط تیار کرنے کا اختیار فراہم کرنے والا بنیادی قانونی ذریعہ ہے۔ بعد میں احمد نے قومی ماحولیاتی معیاری معیارات (این ای کیو ایس) کا جائزہ پیش کیا جو سب سے پہلے 1993ء میں نافذ کیے گئے اور جن میں 1995ء اور 2000ء میں ترامیم کی گئیں انہوں نے پاکستان میں جنگلی حیات اور خطرناک فضلے کے انتظام کے متعلقہ قوانین کے بارے میں بھی بات کی۔

سسٹین ایبل انیشیٹو کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر فرحان انور نے او ای سی ڈی رہنما خطوط اور او ای سی ڈی واچ کو متعارف کراتے ہوئے دو مقالے پیش کیے اور رہنما خطوط کے استعمال کے لیے قائم استغاثہ کے طریقِ کار کی تفصیلات پیش کیں۔

فرحان انور نے او ای سی ڈی رہنما خطوط کی تیاری کے تاریخی پس منظر پر بحث کی۔ رہنما خطوط کے اصل موضوع، تصور اور وسعت کا ایک ابتدائی و بنیادی تعارف پیش کیا اور رہنما خطوط کے نفاذ کے ڈھانچے اور طریقہ کار بشمول او ای سی ڈی سرمایہ کار کمیٹی کے سہو کردار، قومی رابطہ نکات (این سی پیز) کا عملدرآمدی کردار اور کاروباری، تجارتی اور سول سوسائٹی اسٹیک ہولڈروں کی وضاحت کی۔ اس کے علاوہ رہنما خطوط کی قوتوں، کمزوریوں اور نفاذ کے عمل سے وابستہ طریقہ کار بھی اجاگر کیے۔ انہوں نے شکایات یا استغاثہ کو تیار کرنے کی بھی وضاحت کی اور کچھ پہلوؤں کو اجاگر کیا کہ این جی اوز کسی شکایت کو درج کرانے سے پہلے کن مسائل کو مدِنظر رکھیں این سی پیز عام طور پر شکایت کے عمل سے کس طرح نمٹتا ہے اور این جی اوز کو کن رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ شکایت درج کرانے کا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب این جی اوز اس عمل میں پوری طرح تیاری کے ساتھ داخل ہوں اور انہیں جن نتائج کے برآمد ہونے کی امید ہو اس کا واضح منظر نامہ ان کے سامنے ہونا چاہیے۔ ایک شکایت داخل کرتے وقت جن اہم مسائل کو مدِنظر رکھنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا وہ درج ذیل ہیں۔

- شکایت کے مقاصد کا واضح تعین۔
- مقدمے میں مفاد اور دلچسپی کی واضح تشریح۔
- ایسی زندہ رہنے والی بھرپور شہادتوں کو اکٹھا کرنا جو یہ دکھا سکیں کہ رہنما خطوط کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔
- شکایت کے لیے وقت کا تعین۔
- شکایت کو تیار کرنا۔
- این سی پی کی جانچ پڑتال کی فہرست کو سمجھنا۔
- شکایت کے بعد کا طریقہ کار۔

بعد میں ورکشاپ کے شرکاء سے رہنما

خطوط کو استعمال کرنے کے لیے مفروضے پر قائم کردہ ایک کیس اسٹڈی کی بنیاد پر ایک کیس تیار کرنے کے لیے کہا گیا۔ سسٹین ایبل انسٹیٹیوٹ کی ایک مشیر سیما فضیلت نے گروپ سرگرمی کے اجلاس میں سہولت کار کے فرائض سرانجام دیئے۔ شرکاء نے کیس اسٹڈی کے لیے سسٹین ایبل انسٹیٹیوٹ ٹیم کے مرتب کردہ سوالات کے جوابات فراہم کیے۔

فصیح الکریم صدیقی ہینو پاک موٹرز لمیٹڈ کے ڈائریکٹر سی ایس آر ہیں۔ انہوں نے کمپنی اور انسانی ذرائع کی ترقی کے میدان اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے میدان میں اپنی کمپنی کے مختلف اقدامات کا ایک عمومی جائزہ پیش کیا جو کمپنی کی کارپوریٹ سماجی ذمہ داری (سی ایس آر) کی جانب اس کے مضبوط عزم کی عکاسی کرتا ہے۔

ہینو پاک کا بڑے قابلِ تائید اقدامات میں سے ایک قدم ایک سائٹ ماڈل اسکول کو اپنانے کی مہم میں شرکت ہے۔ یہ قدم ایف پی سی سی آئی اور سی ڈی جی کے کے ساتھ شراکت داری کے ذریعے اٹھایا گیا تاکہ اسکول کی سہولتوں بشمول کمیونٹی کی صحت کی دیکھ بھال کے مراکز اور معیارِ تعلیم کو بہتر بنایا جاسکے۔ ہینو پاک۔ اسکول کی ترقی، درستگی، اسکول کے بنیادی ڈھانچے اور ماحول کی دیکھ بھال کے لیے تعاون و حمایت۔ ساتھ ہی نصابی سرگرمیوں، طالب علموں اور اساتذہ کے لیے مختلف جگہوں کے دوروں اور طالب علموں کے لیے تکنیکی تربیت اور انٹرن شپ مہیا کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

ہیلپ لائن ٹرسٹ کے بانی حامد میکر نے کہا کہ آج کے پیچیدہ کاروباری ماحول میں کارپوریٹ سماجی ذمہ داری (سی ایس آر) ایک بڑھتی ہوئی ضرورت ہے۔ زیرک اور مصلحت اندیش کارپوریشنوں نے اپنے کردار کو پوری طرح ذہن نشین کرلیا ہے کہ انہیں اپنی کمپنیوں اور شیئر ہولڈروں کے لیے نہ صرف منافع کمانا ہے بلکہ خود کو سماجی طور پر ذمہ دار انٹر پرائز بھی تسلیم کروانا ہے۔ سی ایس آر بنیادی طور پر ایک فرض ہے۔ سماجی بہبود کے فائدے کے لیے کام کرنے کے ساتھ ساتھ منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنا بھی ہے۔ چنانچہ سماجی کارپوریٹ ذمہ داری کا تصور نئی جہتیں اختیار کر رہا ہے۔ ایک کارپوریٹ ادارے کے بارے میں عمومی تصور یہ ہے کہ اس کا مطمحِ نظر صارفین کو مناسب اہمیت دیئے بغیر صرف پیسہ کمانا ہے۔